شمارہ ۱

صلح ۱۳۴۸ هش

جنوری ۱۹۶۹ء

جلد ۱۰

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

صلح ۱۳۴۸ھش

(جنوری ۱۹۶۹ء)

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ: چھ روپے ⁂ فی پرچہ: ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ✱ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ✱ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۱ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۱

صلح ۱۳۴۸ھ ش

(جنوری ۱۹۶۹ء)

تزکیۂ نفس اور اس کے حصول کا بنیادی طریق

خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اس کی قوّتِ قدسی سے فیضیاب ہونے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں اُس کا عبد بنے۔ جیسا کہ فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کے نفس کا تزکیہ نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اُس نے اپنی پیدائش کے مقصد کو پالیا اور جس نے اپنے نفس کو مٹی میں گاڑ دیا وہ اپنی پیدائش کے مقصد میں ناکام و نامراد رہا۔ اِس سے ثابت ہے کہ کوئی شخص تزکیۂ نفس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد نہیں بن سکتا۔

تزکیۂ نفس کی اِس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر یہ جاننا ضروری ہے کہ تزکیۂ نفس سے کیا مراد ہے ؟۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ امارہ کی شہوات اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے بکلی مجتنب ہو کر انسان نیکیوں اور جملہ اخلاقِ حسنہ میں اِس حد تک ترقی کرے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کما حقہٗ ادائیگی اُس کی فطرت کا جُزو بن جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"تم لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کس کو کہا جاتا ہے۔ سو یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے۔ اور جیسے زبان سے خدا تعالیٰ کو اُس کی ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہیئے اور اُس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور مُلائمت سے پیش آنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بھی بغض، حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہیئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہو جانا چاہیئے لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ معاملہ تو ابھی دُور ہے کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے خود رفتہ اور محو ہو جاؤ کہ بس اُسی کے ہو جاؤ اور جیسے زبان سے اُس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کما حقہٗ ادا نہیں کرتے۔ بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایکدوسرے کی غیبتیں کرتے اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ۔ اور جب تم (حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کر کے) ایک وجود کی طرح ہو جاؤ گے اُس وقت کہہ سکیں گے کہ تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا۔" (ملفوظات جلد دہم صفحہ ۷۲، ۷۳)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے طریق ہیں جنہیں اختیار کر کے انسان کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس ضمن میں ایک بنیادی اصل یہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی کوشش اور طاقت سے پاک نہیں ہو سکتا بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے چنانچہ فرمایا :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝	یعنی اے مسلمان کیا تجھے اُن لوگوں کا حال معلوم نہیں جو اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کا یہ حق نہیں کہ وہ بزعم خود پاک بنتے پھریں بلکہ

(النساء آیت ۵) اللہ جسے پسند کرتا ہے اُسے پاک قرار دیتا ہے

لیکن ایسا کرنے میں وہ کسی پر کھجور کی گٹھلی کی لکیر کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک جگہ مومنوں کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے :۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (النور آیت ۲۲)

یعنی اگر اللہ کا فضل اور رحم تم پر نہ ہوتا تو کبھی بھی تم میں سے کوئی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاکباز بنا دیتا ہے۔ اور اللہ بہت سُننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اِن آیات سے ثابت ہے کہ کوئی شخص محض اپنی کوشش سے تزکیۂ نفس حاصل نہیں کر سکتا۔ نفس کا تزکیہ اُسی کو حاصل ہوتا ہے جسے خدا تعالیٰ پاک کرنے کا فیصلہ فرما دے۔ اور ایسا کرنے میں وہ حبّہ برابر بھی ظلم روا نہیں رکھتا۔ یعنی نہ وہ اندھا دُھند کسی کو پاک کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور نہ ہی اندھا دُھند کسی کو تزکیۂ نفس سے محروم کرنے کا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ خوش قسمت لوگ کون ہیں جنہیں خدا تعالےٰ پاک کرتا ہے اور وہ بدنصیب لوگ کون ہیں جو تزکیۂ نفس سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ جو شخص ہمارے رسولؐ پر ایمان لاتا ہے اور اُس کی پُوری پُوری اطاعت کرتا ہے اور اس اطاعت کے نتیجہ میں تزکیۂ نفس کے لئے ساعی ہوتا ہے ہم اُس کے نفس کا تزکیہ کر دیتے ہیں۔ اور جو لوگ ہمارے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے اور اگر ایمان تو لاتے ہیں لیکن اُس کی اطاعت نہیں کرتے وہ کتنا ہی مجاہدہ کیوں نہ کریں وہ ہرگز ہرگز تزکیۂ نفس حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی لئے اُس نے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہی اِس لئے ہے کہ وہ تمہارے نفسوں کا تزکیہ کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعہ آیت ۳)

یعنی وہی خدا ہے جس نے اَن پڑھ قوم کی طرف اُسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو اُن کو خدا کے احکام سُناتا ہے اور اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اِس سے پہلے وہ کھُلی کھُلی گمراہی میں تھے۔

اِن سب آیات پر یکجائی نظر ڈالنے سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں :۔

اوّل یہ کہ کوئی شخص مجرّد اپنی کوشش اور جدّ و جہد سے پاک نہیں ہو سکتا خواہ وہ پہاڑوں کے برابر ہی

نیک اعمال کیوں نہ بجا لائے۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسی کو تزکیۂ نفس کی نعمت عطا کرتا ہے جو خدا کے رسولؐ پر ایمان لا کر اسکی پوری پوری اطاعت بجا لاتا ہے اور اس طرح اس کی قوتِ قدسی کے فیضان سے حصہ پاتا ہے۔

اب چونکہ خلافت نبوت ہی کا تتمہ ہوتی ہے اور خلیفۂ وقت رسول ہی کا جانشین ہوتا ہے اس لئے اطاعتِ رسول کے تحت تزکیۂ نفس کے لئے خلیفۂ وقت کی پوری پوری اطاعت کرنا اور اس کی قوتِ قدسی سے فیضیاب ہونا بھی ازبس ضروری ہے۔ اس کے بغیر اگر کوئی شخص پہاڑوں کے برابر بھی نیک اعمال بجا لائے ساری ساری رات عبادت کرتا رہے اور ذکرِ الٰہی سے اپنی زبان کو تر رکھے عند اللہ وہ متزکّی قرار نہیں پا سکتا۔

پس تزکیۂ نفس کا اصل اور بنیادی ذریعہ اللہ، رسولؐ اور خلیفۂ وقت کی محبت اور ان کی پوری پوری اطاعت ہے۔ تزکیۂ نفس کے باقی تمام ذرائع اس بنیادی ذریعہ کے ساتھ مشروط ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تزکیۂ نفس کے اس بنیادی ذریعہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"تزکیۂ نفس مشکل مرحلہ ہے اور مدارِ نجات تزکیۂ نفس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ اور تزکیۂ نفس بجز فضلِ خدا میسر نہیں آ سکتا، اور یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ اور اس کا قانون جو جذبِ فضل کے واسطے ہمیشہ سے مقرر ہے وہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ مگر دنیا میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں (جن کا خیال ہے) ہم بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں، نیک اعمال بجا لاتے ہیں، اعمالِ بد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اصل میں اُن کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان کو اتباعِ رسولؐ کی ضرورت نہیں۔ مگر یاد رکھو یہ بڑی غلطی ہے اور یہ بھی شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کہ ایسا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلامِ پاک میں تزکیہ اور محبتِ الٰہی کو مشروط باتباعِ رسولؐ رکھا ہے۔ تو کون ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ میں خود بخود ہی اپنی طاقت سے پاک ہو سکتا ہوں۔ سچا یقین اور کامل معرفت سے پُر ایمان ہرگز ہرگز میسر نہیں آ سکتا جب تک انبیاء (اور انبیاء میں اُن کے خلفاء بھی شامل ہیں) کی سچی فرمانبرداری اور محبت اختیار نہ کی جاوے۔"

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۹۱)

اسی پر بس نہیں حضور علیہ السلام تزکیۂ نفس کے ضمن میں اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے جس میں بعینہٖ اسی طرح خلیفۂ وقت کی اطاعت بھی شامل ہے فرماتے ہیں :-

"تزکیۂ نفس کے لئے چِلّہ کشیوں کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے چلّہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ ارّہ اور نفی اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے۔ بلکہ اُن کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا وہ اطاعت کی نالی سے ہو کر صحابہؓ کے قلب پر گرتا تھا اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کی بجائے اُن کے سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔ اس وقت بھی خوب یاد رکھو وہی حالت ہے۔ جب تک کہ وہ نور جو اطاعت کی نالی میں سے آتا ہے تمہارے قلب پر نہیں گرتا تزکیۂ نفس نہیں ہو سکتا۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۸)

پس اللہ اور رسولؐ اور خلیفۂ وقت کی محبت کے رنگ میں پوری پوری اطاعت وہ بنیادی ذریعہ ہے جس کے بغیر ہرگز ہرگز نفس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر نہ نفسِ امّارہ کی شہوات اور اخلاقِ سیئہ سے نجات مل سکتی ہے اور نہ اخلاقِ حسنہ اور دیگر نیکیاں اس رنگ میں بجا لانے کی توفیق مل سکتی ہے کہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کما حقہٗ بجا آوری کے بعد عند اللہ اُن لوگوں میں شمار ہو سکے جن کے نفس کا وہ خود اپنے ہاتھ سے تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے باقی تمام ذرائع جن میں مجاہدہ و تدبیر، دعا اور صحبتِ صادقین وغیرہ شامل ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف جگہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اپنی اپنی جگہ اہم ہونے کے باوجود محبت کے رنگ میں اللہ، رسول اور خلیفۂ وقت کی کامل اطاعت کے ساتھ مشروط ہیں۔ اگر انسان اللہ، رسولؐ اور خلیفۂ وقت کی اطاعت میں گُم ہو جائے اور اس راہ سے خدائی نور اُس کے قلب پر نازل ہونے لگے تو پھر مجاہدہ و تدبیر، دعا اور صحبتِ صادقین پر عمل نتیجہ خیز اور مثمر ثمرات ہونے لگتا ہے۔ اور اگر انسان اللہ اور رسولؐ ہی کی طرح خلیفۂ وقت کے ساتھ محبت کا تعلق نہ رکھے اور اُس کی اطاعت کو لازم نہ پکڑے تو وہ لاکھ مجاہدہ کرے، لاکھ خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور لاکھ اُن لوگوں کی صحبت میں جا کر بیٹھے جنہیں وہ بزعمِ خود صادقین میں شمار کرتا ہے اُس کے نفس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا آج ہمارے لئے تزکیۂ نفس کا اصل اور بنیادی طریق جو تمام دوسرے طریقوں پر حاوی ہے

یہی ہے کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے بموجب سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ محبّت کے تعلق کو ترقی دیں اور آپ کی اطاعت میں محو ہو کر اپنے سینہ و دل کو مہبطِ انوارِ الٰہی بنائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں تزکیۂ نفس کے اِس بنیادی طریق کی بنیادی اہمیت کو سمجھنے اور محبّت کے رنگ میں حضور ایدہ اللہ کی کامل اطاعت بجا لانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم تزکیۂ نفس کی نعمت سے مالا مال ہو کر اپنی پیدائش کی علّتِ غائی کو پُورا کرنے والے بن سکیں اور خدا خود ہمیں یہ بشارت دے

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

(سورۃ الفجر آیات ۳۰، ۳۱)

تزکیۂ نفس خود بخود نہیں ہو سکتا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" تزکیۂ نفس ایک ایسی شے ہے کہ خود بخود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنے نفس یا عقل کے ذریعہ سے خود بخود مزکّی بن جاویں گے۔ یہ بات غلط ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون متّقی ہے ...... جہالت ہلاک کر دیتی ہے اس کا علاج بلا انبیاء علیہم السلام کے نہیں ہو سکتا۔ ان کی صحبت میں رہنے سے انسان کے اندر وہ قوّت پیدا ہوتی ہے کہ جس سے اسے اپنے مرض کا پتہ لگتا ہے۔ ورنہ خشک لفاظی اور چرب زبانی سے انسان کو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ صرف یہ کہنا کہ ہم نے زنا نہیں کیا، چوری نہیں کی، اس سے تزکیۂ نفس نہیں پایا جاتا اور نہ اس کا نام سچّی پاکیزگی ہے ... یہ تو ایک قسم کی موت ہے جو انسان کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے۔" (ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۳۹)

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اسلام کی حفاظت اور سچّائی ظاہر کرنے کیلئے دو اہم پہلو

سچّے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور اسلام کی خوبیوں کو دُنیا میں پھیلاؤ

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی حفاظت اور سچائی کے اظہار کے دو نہایت ہی اہم پہلوؤں اور اُن کی بعض تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لئے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی ضرورتیں پیش آئی تھیں۔ اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ایسے وقتوں پر بعض اُن میں سے سارا ہی مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیتے اور بعض نے آدھا دیدیا اور اس طرح جہاں تک کسی سے ہو سکتا فرق نہ کرتا۔

مجھے افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ہاتھ میں بجز خشک باتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھتے اور جنہیں نفسانیت اور خود غرضی سے کوئی نجات نہیں ملی اور حقیقی خدا کا چہرہ ان پر ظاہر نہیں ہوا وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کی خاطر ہزاروں لاکھوں روپیہ دیدیتے ہیں اور بعض ان میں اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ عیسائیوں میں دیکھا ہے کہ بعض عورتوں نے دس دس لاکھ کی وصیت کر دی ہے۔ پھر مسلمانوں کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ اسلام کے لئے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے یا نہیں کرتے مگر خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے روشن چہرہ پر سے وہ حجاب جو پڑا ہُوا ہے دُور کر دے اور اسی غرض کے لئے اُس نے مجھے بھیجا ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ خدا ہے اور مر کر اُس کے حضور ہی جانا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سال آئندہ کے انہی دنوں میں ہم سے یہاں کون ہوگا اور کون آگے چلا جائیگا۔ جبکہ یہ حالت ہے اور یہ یقینی امر ہے پھر کس قدر بدقسمتی ہو گی اگر اپنی زندگی میں قدرت اور عافیت رکھتے ہوئے اس اصل مقصد کے لئے سعی نہ کریں۔ اسلام تو ضرور پھیلے گا اور وہ غالب آئیگا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہے مگر مبارک ہوں گے وہ لوگ جو اس اشاعت میں حصہ

ملیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جو اُس نے تمہیں موقع دیا ہے۔ یہ زندگی جس پر فخر کیا جاتا ہے ہیچ ہے اور ہمیشہ کی خوشی کی وہی زندگی ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوگی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اِسی دنیا اور اسی زندگی سے شروع ہو جاتی ہے اور اس کی تیاری بھی یہاں ہی ہوتی ہے۔

عرصہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا تھا کہ ایک بہشتی مقبرہ ہوگا۔ گویا اس میں وہ لوگ داخل ہونگے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں جنتی ہیں۔ پھر اسکے متعلق الہام ہوا اُنزل فیھا کل رحمۃٍ۔ اس سے کوئی نعمت اور رحمت باہر نہیں رہتی۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسی رحمت کے نزول کی جگہ میں دفن ہو، کیا عمدہ موقع ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرلے۔ یہ صدی جس کے ۲۳ سال گزرنے کو ہیں گزر جائیگی اور اِس کے آخر تک موجودہ نسل میں سے کوئی نہ رہے گا اور اگر نکما ہو کر رہا تو کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنا صدقہ پہلے بھیجو۔ یہ لفظ صدقہ کا صدق سے لیا گیا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی کامل نمونہ اپنے صدق اور اخلاص کا نہیں دکھاتا لاف زنی سے کچھ نہیں بن سکتا۔

تم اِس بات کو کبھی مت بھولو کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر جی ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ موت سر پر ہو۔ طاعون کا موسم پھر آ رہا ہے، زلزلہ کا خوف دامنگیر ہے۔ وہ تو بڑا ہی بے وقوف ہے جو اپنے آپ کو امن میں سمجھتا ہے۔ امن میں تو وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا سچا فرمانبردار اور اُس کی رضا کا جویاں ہے۔ ایسی حالت میں بے بنیاد زندگی کے ساتھ دل لگانا ـــ کیا فائدہ؟

دوسری طرف اسلام سخت اور خطرناک ضعف کی حالت میں ہے۔ اس پر یہی آفت اور مصیبت نہیں کہ باہر والے اس پر حملے کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے کہ مخالف سب کے سب مل کر ایک ہی کمان سے تیر مار رہے ہیں اور جہاں تک اُن سے ہو سکتا ہے وہ اِسکو مٹا دینے کی سعی اور فکر کرتے ہیں لیکن اس مصیبت کے علاوہ بڑی بھاری مصیبت یہ ہے کہ اندرونی غلطیوں نے اسلام کے درخشاں چہرہ پر ایک نہایت ہی تاریک حجاب ڈال دیا ہے۔ اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اس میں روحانیت نہیں رہی۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کے مدعی ہیں روحانیت موجود نہیں ہے اور اس پر دوسری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ انکار کر بیٹھے ہیں کہ اب کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہو اور وہ خدا تعالیٰ پر زندہ اور تازہ یقین پیدا کر سکے۔

ایسی حالت اور صورت میں اُس نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کے چہرہ پر سے وہ تاریک حجاب ہٹا دے اور اس کی روشنی سے دلوں کو منور کرے اور اُن بے جا اتہامات اور حملوں سے جو آئے دن مخالف اس پر لگاتے اور کرتے ہیں اسے محفوظ کیا جائے۔ اس غرض سے یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنا نمونہ دکھاویں۔ یہی وجہ ہے جو مَیں نے پسند کیا ہے کہ ایسے لوگ جو اشاعتِ اسلام کا جوش دل میں رکھتے ہیں اور جو اپنے صدق

اور اخلاص کا نمونہ دکھا کر فوت ہوں اور اس مقبرہ میں دفن ہوں اُنکی قبروں پر ایک کتبہ لگا دیا جاوے جس میں اسکے مختصر سوانح ہوں اور اُس اخلاص و وفا کا بھی کچھ ذکر ہو جو اُس نے اپنی زندگی میں دکھایا تا جو لوگ اس قبرستان میں آویں اور ان کتبوں کو پڑھیں اُن پر ایک اثر ہو اور مخالف قوموں پر بھی ایسے صادقوں اور راستبازوں کے نمونے دیکھ کر ایک خاص اثر پیدا ہو۔ اگر یہ بھی اسی قدر کرتے ہیں جس قدر مخالف قومیں کر رہی ہیں اور وہ لوگ کر رہے ہیں جن کے پاس حق اور حقیقت نہیں تو انہوں نے کیا کیا۔ پھر انہیں تو ایسی حالت میں شرمندہ ہونا چاہیئے لعنت ہے ایسے بیعت میں داخل ہونے پر جو کافر جتنی بھی غیرت نہ رکھتا ہو۔

اسلام اس وقت یتیم ہو گیا ہے اور کوئی اس کا سرپرست نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو اور وہ ہر طرح سے ثابت کر کے دکھائے کہ اسلام کی سچی غمگسار اور ہمدرد ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہی قوم ہو گی جو بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ ٹھہرے گی۔ اس کے ثمرات و برکات آنے والوں کے لئے ہوں گے اور زمانہ پر محیط ہو جائیں گے۔ مَیں سچ کہتا ہوں یہ جماعت بڑھے گی لیکن وہ لوگ جو بعد میں آئیں گے اُن مدارج اور مراتب کو نہ پائیں گے جو اس وقت والوں کو ملیں گے۔ خدا تعالےٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا کہ وہ اس جماعت کو بڑھائے اور وہ دین اسلام اور توحید کی اشاعت کا باعث بنے۔

مدرسہ کی سلسلہ جنبانی کی بھی اگر کوئی غرض ہے تو یہی ہے۔ اسی لئے مَیں نے کہا تھا کہ اس کے متعلق غور کیا جاوے کہ یہ مدرسہ اشاعتِ اسلام کا ایک ذریعہ بنے اور اس سے ایسے عالم اور زندگی وقف کرنے والے لڑکے نکلیں جو دنیا کی نوکریوں اور مقاصد کو چھوڑ کر خدمتِ دین کو اختیار کریں۔ ایسا ہی اس قبرستان کے ذریعہ بھی اشاعتِ اسلام کا ایک مستقل انتظام سوچا گیا ہے۔ مدرسہ کے متعلق میری رُوح ابھی فیصلہ نہیں کر سکی کہ کیا راہ اختیار کیا جاوے۔ ایک طرف ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو عربی اور دینیات میں توغل رکھتے ہوں اور دوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو آجکل کے طرزِ مناظرات میں پکّے ہوں۔ علومِ جدیدہ سے بھی واقف ہوں کسی مجلس میں کوئی سوال پیش آجاوے تو جواب دے سکیں۔ اور کبھی ضرورت کے وقت عیسائیوں سے یا کسی اور مذہب والوں سے انہیں اسلام کی طرف سے مناظرہ کرنا پڑے تو ہتک کا باعث نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کی خوبیوں اور کمالات کو پُرزور اور پُرشوکت الفاظ میں ظاہر کر سکیں۔۔۔۔۔

اصل بات یہ ہے کہ مَیں چاہتا ہوں کہ اسلام کو اُن لوگوں اور قوموں میں پہنچایا جاوے جو اس سے محض ناواقف ہیں اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن قوموں میں تم اسے پہنچانا چاہو ان کی زبانوں کی پُوری واقفیت ہو۔ اُن کی زبانوں کی واقفیت نہ ہو اور اُن کی کتابوں کو پڑھ نہ لیا جاوے تو مخالف پُورے طور پر عاجز نہیں ہو سکتا۔"

(ملفوظات جلد ہشتم صفحات ۳۲۳ تا ۳۲۸)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَاسْعَوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ يَا فِتْيَانِيْ

(اے میرے جوانو! دلی صدق سے کوشش کرو)

تُوْبُوْا مِنَ الْهَفَوَاتِ يَغْفِرْ ذَنْبَكُمْ وَاللّٰهُ بَرٌّ وَّاسِعُ الْغُفْرَانِ

اپنی لغزشوں سے توبہ کرو تا تمہارے گناہ بخشے جاویں اور خدا تعالیٰ نیکوکار وسیع المغفرت ہے۔

قَدْ جَآءَ مَهْدِيُكُمْ وَظَهَرَتْ اٰيَةٌ فَاسْعَوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ يَا فِتْيَانِيْ

تمہارا مہدی آ گیا اور نشان ظاہر ہوگیا۔ سو اے میرے جوانو! دلی صدق سے کوشش کرو

عِنْدِيْ شَهَادَاتٌ فَهَلْ مِنْ مُّؤْمِنٍ نُوْرٌ يَرَى الدَّانِيْ فَهَلْ مِنْ دَانِيْ

میرے پاس گواہیاں ہیں پس کیا کوئی ایمان لانے والا ہے۔ ایک نور ہے جو نزدیک آنیوالا ہے اسکو دیکھتا ہے پس کیا کوئی نزدیک آنیوالا ہے

ظَهَرَتْ شَهَادَاتٌ فَبَعْدَ ظُهُوْرِهَا مَا عُذْرُكُمْ فِيْ حَضْرَةِ السُّلْطَانِ

گواہیاں ظاہر ہوگئیں سو ان کے ظہور کے بعد اللہ تعالےٰ کی جناب میں کیا عذر پیش کرو گے؟

هٰذَا اَوَانُ النَّصْرِ مِنْ رَّبِّ السَّمَاءِ ذِيْ مُصْمِيَاتٍ مُوْبِقِ الْفَتَّانِ

یہ ربّ السماء کی طرف سے مدد کا وقت ہے جس کے تیر خطا نہیں کرتے اور جو فتنہ انگیز کو ہلاک کرتا ہے

نَزَلَتْ مَلَائِكَةُ السَّمَآءِ لِنَصْرِنَا رَعَبَ الْعِدَا مِنْ عَسْكَرٍ رُّوْحَانِيْ

ہماری مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اُتر آئے۔ لشکر روحانی سے دشمن ڈر گئے۔

دَخَلَتْ بُرُوْقُ الدِّيْنِ فِيْ اَرْضِ الْعِدَا وَبَدَا الْهُدٰى كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ

دین کی روشنی دشمنوں کی زمین میں داخل ہوگئی۔ اور ہدایت چمکنے والے موتیوں کی طرح ظاہر ہوگئی۔

(نور الحق حصہ دوم)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بیخ شقوت نخوت و خامی بود

(بدبختی کی جڑ تکبر اور خامی ہے)

تافتن رُو از خورِ تاباں کہ من — خود برآرم روشنی از خویشتن

(یہ خیال کرکے) روشن سورج سے مُنہ پھیر لینا کہ میں اپنے اندر سے آپ ہی روشنی پیدا کر لوں گا

ایں ہمیں آثارِ ناکامی بود — بیخ شقوت نخوت و خامی بود

یہی تو نامرادی کے آثار ہُوا کرتے ہیں۔ بدبختی کی جڑ تکبر اور خامی ہے۔

عالمے را کور کردست ایں خیال — سرنگوں افگند در چاہِ ضلال

اس خیال نے ایک جہان کو اندھا کر رکھا ہے اور اسے گمراہی کے کنوئیں میں پھینک رکھا ہے۔

سُوئے آبے تشنہ را باید شتافت — ہر کہ جست از صدقِ دل آخر بیافت

پیاسے کو پانی کی طرف دوڑنا چاہیئے۔ جس نے صدق دل سے تلاش کی اُس نے آخرکار مقصود کو پا لیا۔

آں خردمندیکہ جوید کُوئے یار — آبرو ریزد زبہرِ رُوئے یار

وہ آدمی عقلمند ہے جو یار کی گلی ڈھونڈتا ہے اور اُس کے رُخ کی خاطر اپنی عزّت گنواتا ہے،

خاک گردد تا ہوا بربایدش — گُم شود تا کس رہے بنمایدش

وہ خاک بن جاتا ہے کہ ہوا اُسے لے اُڑے اور فنا ہو جاتا ہے تاکہ اُسے کوئی راستہ دکھائے۔

بے عنایاتِ خدا کار است خام — پختہ داند ایں سخن را والسّلام

خدا کی مہربانی کے بغیر کام ادھورا رہتا ہے۔ عقلمند ہی اس بات کو جانتا ہے۔ والسلام

(سراج منیر)

دین کو دُنیا پر مقدّم رکھنے کا عہد اور اس کا اجر

(سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۷ جنوری ۱۹۶۷ء کو خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے پہلے قرآن مجید کی حسب ذیل آیات تلاوت کیں :-

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل آیات ۹۶، ۹۷)

ترجمہ:- اور تم اللہ کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد کے بدلہ میں حقیر (اور تھوڑی سی) قیمت (رکھنے والی چیز) مت لو۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے یقیناً (اس سے بدرجہا) بہتر ہے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) رہنے والا ہے اور ہمیں (اپنی ذات کی قسم ہے کہ) جو لوگ ثابت قدم رہے ہیں ہم انہیں یقیناً ان کے بہترین عمل کے مطابق (ان کے تمام اعمالِ صالحہ کا) بدلہ دیں گے۔ (تفسیر صغیر)

بعدہٗ حضور ایدہ اللہ نے اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا :-

---

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی جانوں سے محبت رکھتے ہو، تم اپنی بیوی بچوں سے محبت رکھتے ہو، تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت رکھتے ہو، تمہیں دنیا کے مال و اسباب اچھے لگتے ہیں اور تم انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر سمجھتے ہو، دنیا کی دولت کی طرف تم جھکتے ہو، جو مکان تم تعمیر کرتے ہو اُن کے لئے تمہارے دلوں میں ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور تم انہیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، تمہاری تجارتیں تمہیں بڑی محبوب اور پیاری ہیں، اِسی طرح تمہاری زرعی زمین بھی تمہیں اتنی اچھی لگتی ہیں کہ بعض دفعہ تم ان کے کناروں پر اپنے کسی بھائی کا خون کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہو ــــ مگر یہ سب چیزیں اُس کے مقابلہ میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے عہدِ بیعت کے بعد دینے کا وعدہ کیا ہے ثمن قلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تم نے اپنے رب کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم دین کو دنیا پر مقدّم رکھو گے، اِس لئے جب تم سے تمہارے نفسوں کی

قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے بیوی بچوں کی قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے رشتہ داروں اور تمہارے دوستوں کی قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے دنیوی سامان اور مال و اسباب کی قربانی مانگی جائے، تو تمہیں چاہیئے کہ تم اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے کہ خدا کی جزا اور اس کے ثواب کے مقابلہ میں یہ سب چیزیں ثمن قلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تم اپنے نفسوں کو بھی، تم اپنے بیوی اور بچوں کو بھی، تم اپنے عزیز و اقارب کو بھی، تم دنیا کے ہر قسم کے متاع کو بھی قربان کر کے خدا کی رضا کے حصول کے لئے کوشش کیا کرو اور عہد بیعت کو اپنے ہاتھ سے دے کر ثمن قلیل لینے کی کوشش نہ کیا کرو۔

اس سارے سلسلۂ اشیاء کو جو اللہ تعالیٰ نے ثمن قلیل قرار دیا ہے اس کی دو دلیلیں بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہیں تاکہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پہلے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کا بھی تم سے اس دنیا میں مطالبہ کیا جاتا ہے وہ فانی ہے۔ اور جس چیز کا بھی اس کے بدلہ میں تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ باقی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ تو عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ فانی کے مقابلہ میں جو باقی رہنے والی چیز ہے اور جس پر فنا نہیں وہ بہتر اور اچھی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جس کی قربانی تم سے چاہی جاتی ہے فنا پذیر ہے، اور ہر وہ چیز جو اس قربانی کے بعد تمہیں ملنے والی ہے وہ باقی رہنے والی ہے۔ سو فانی چیز کے مقابلہ میں ایک ابدی حیات والی چیز تمہیں دی جاتی ہے۔ اگر تم ابدی زندگی کو چھوڑ کر چند گھنٹوں، چند دنوں یا چند سالوں کی زندگی اور اس کی خوشیوں کو ترجیح دو گے تو تم دنیا میں بیوقوف سمجھے جاؤ گے۔ پس جو باقی رہنے والی اشیاء ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے تم ان کی تلاش کرو اور ان کے حصول کی کوشش کرو۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ دی ہے کہ جو تمہارے دنیا کے اموال اور اسباب ہیں ان کے ساتھ تمہارے دلوں میں ایک جیسی محبت نہیں ہوتی اور نہ ایک جیسا لگاؤ ہوتا ہے، نہ تم ان میں سے ہر ایک چیز کو ایک جیسی مفید سمجھتے ہو۔ مثلاً تمہیں روپے پیسے سے بڑا پیار ہے لیکن جب بچہ بیمار ہو جائے یا جب تمہاری بیوی بیمار ہو جائے یا جب تم خود بیمار ہو جاؤ تو ساری دنیا کی دولت قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو اپنے بچے کی جان کی حفاظت کے لئے یا اپنی بیوی کی جان کی حفاظت کے لئے یا خود اپنی جان کی حفاظت کے لئے۔ پس اس دنیا کی ہر چیز جو ہے اس کو تم نے ایک ترجیحی سلسلہ کی کڑی میں پرو دیا ہوا ہے یعنی یہ اچھی چیز ہے، اس سے بھی اچھی یہ ہے، اس سے بھی اچھی یہ ہے اور اس سے بھی اچھی یہ ہے۔ پھر ایک انسان اپنی جان سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں زندہ رہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر لوگ دنیا کی اشیاء کو اپنے نفس پر قربان کر دیتے ہیں مگر اپنی جانوں کو دنیوی سامان پر قربان نہیں کرتے۔ یا بعض ایسے

لوگ بھی ہیں جو اپنی جانوں کو اپنے بچوں پر قربان کر دیتے ہیں تو اُن کے نزدیک اُن کے بچے کی قیمت سب سے زیادہ ہے یہاں تک کہ اُن کی اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔

پس مجموعی طور پر جب ہم دنیا کی تمام اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کی ہمیں اوسط نکالنی پڑتی ہے۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک چیز کی قیمت سَو یونٹ ہے، ایک اَور چیز ہے اُس کی اسّی ہے، ایک اَور چیز ہے اُس کی پچاس ہے، ایک اَور چیز ہے اُس کی چالیس ہے، ایک اَور چیز ہے اُس کی قیمت تیس یونٹ ہے، ایک اَور ہے اسکی بیس ہے، ایک اَور ہے اُسکی دس ہے، تو ساری اشیاء کی مجموعی قیمت ہماری نگاہ میں اِن اشیاء کی اوسط قیمت ہو گی۔ اگر آپ بازار میں جائیں اور آپ بیس چیزیں خریدیں تو اگر ایک کی قیمت مثلاً سَو ہو اور ایک کی پچاس ہو اور ایک کی تیس ہو اور مجموعی طور پر آپ نے بیس چیزوں پر چار سَو روپیہ خرچ کیا ہو تو وہ چیزیں جو ہیں اُن کی مجموعی قیمت چار سَو روپیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو جنّت میں تمہیں ملے گا اُس کے لئے ہمارا قانون یہ ہو گا کہ تمہارے بہترین عمل کا جو بدلہ تمہیں ملنا چاہیئے تمہارے کمتر اعمال کا بھی ہم اتنا ہی بدلہ دینگے۔ اِس اصول کے مطابق ہماری مثال میں جو چیزیں خریدی گئی ہیں اُن کی قیمت چار سَو نہیں رہتی بلکہ دو ہزار بن جاتی ہے۔ دنیا میں یہ قانون نہیں چلتا۔ اِس دنیا میں دُنیا کا قانون چلتا ہے مگر اُس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بنایا ہے کہ وہاں تمہارے بہترین عمل کی بہترین جزاء تمہیں ملے گی اور بہترین عمل کی بہترین جزاء کے مطابق تمہارے باقی اعمال کی جزاء بھی تمہیں دی جائے گی۔ اس طرح جو کچھ تمہیں وہاں ملے گا اُس کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اموال اور متاع، تمہاری اپنی جانیں اور تمہارے اپنوں کی جانیں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بس یہ ثمن قلیل ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں یہ حکم دیتا ہے کہ اِس ثمن قلیل کو خریدنے کے لئے تم ایسی چیزوں کو قربان نہ کرو جو ابدی مسرّتوں اور ابدی سرور والی چیزیں ہیں اور جو بہترین جزاء کی شکل میں اور بہترین بدلہ کی صورت میں تمہارے سامنے آئیں گی۔ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔ جو عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو گے اِس پر مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی کسی غفلت یا کوتاہی کے نتیجہ میں دنیا کو دین پر مقدم نہ کرنے لگ جاؤ کہ دنیا دین کے مقابلہ میں اور دنیا کی یہ اشیاء اُس ثواب کے مقابلہ میں جو نیک اعمال کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس دنیا میں بھی اور اُس جہان میں بھی ملتا ہے ثمن قلیل کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ خدا کی جزاء جو ہے وہ ابدی ہے اور اُس کی قیمت جو ہے وہ "بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" کے اصول پر طے کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہترین جزاء کا حقدار قرار دے اور اس کے مطابق ہم سے معاملہ کرے۔ آمین۔"

(الفضل ۹ مارچ ۱۹۶۷ء)

میرے سابقہ مضمون کے متعلق ایک ضروری تصحیح

(رقم فرمودہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی)

ماہنامہ انصاراللہ بابت ماہ فتح (دسمبر) ۱۳۴۷ہش میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کا رقم فرمودہ ایک نہایت قیمتی مضمون بعنوان "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کی چند یادیں اور تاثرات" شائع ہوا تھا۔ اس میں اس امر کا بھی ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے اور وہاں قیام لمبا ہو گیا تو ایک روز آپؑ نے فرمایا کہ:-

"اودھ کے (معزول) بادشاہ نے لکھنؤ کے فراق میں یہ شعر کہا تھا ؎

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے لکھنؤ

مگر ہم تو قادیان کی یاد میں اب اس کو یُوں پڑھتے ہیں کہ:-

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں"

اس مضمون کو شائع کرتے وقت مندرجہ بالا روایت میں "اودھ کے (معزول) بادشاہ" کے الفاظ کے بعد "(یا کسی اور لکھنوی شاعر)" کے الفاظ ادارہ کی طرف سے بریکٹ میں لکھ دیئے گئے تھے اور یہ تصریح درج ہونے سے رہ گئی تھی کہ بریکٹ کے الفاظ روایت کا حصہ نہیں بلکہ ادارہ نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔ بریکٹ کے زائد الفاظ سے چونکہ غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لئے حضرت سیدہ مدظلہا نے اس کی تصحیح اور وضاحت کے طور پر ایڈیٹر انصاراللہ کے نام بصورت خط جو تحریر ارسال فرمائی ہے وہ ذیل میں ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔ (ایڈیٹر)

"دسمبر ۱۹۶۸ء کا ماہنامہ انصاراللہ ملا اس میں میری تحریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر وغیرہ کی یادیں درج ہے۔ ایک امر کی تصحیح ضروری ہے اس لئے لکھتی ہوں کہ جو آپ نے (ایڈیٹر انصاراللہ۔ ناقل) بریکٹ میں لکھ دیا ہے کہ (یا کسی اور لکھنوی شاعر نے) یہ شعر کہا تھا اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ یا تو حضرت مسیح موعودؑ نے ایسا فرمایا یا میں نے اس طرح لکھ دیا۔ یہ بات غلط ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ کے ساتھ اپنی جانب سے بغیر آپؑ سے سُنے زائد الفاظ ہرگز استعمال نہیں کر سکتی۔ آپؑ

نے صرف شاہِ اودھ کا ہی شعر اس کو فرمایا تھا۔ بیشک جیسا کہ آپ نے (ایڈیٹر انصار اللہ نے۔ناقل) لکھا تھا کہ شاید کسی اَور کا ہوگا۔ ہوگا کسی اَور کا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اُن کا ہی فرمایا۔ اور یہ کوئی ایسی غلطی بھی نہیں ہے۔ آپؑ کو شاعروں کے دیوان دیکھنے کی کب فرصت تھی؟ آپؑ کا تو کام ہی دوسرا تھا۔ نہ آپؑ کی کتب میں شاعروں وغیرہ کے دیوان تھے نہ آپؑ کا یہ شغل تھا۔ یا تو آپؑ نے کسی سے سُنا زبانی جس نے آپؑ کو بادشاہِ اودھ کا کہکر ہی سُنایا ہوگا یا کسی اخبار یا رسالہ میں کوئی مضمون اودھ کے بادشاہ کے متعلق دیکھا ہوگا اور لکھنے والے نے اُن کا سمجھ کر یا بہ زبانِ شاہِ اودھ اس طرح لکھا گیا ہوگا کہ آپؑ شاہِ اودھ کا ہی سمجھے اور اس کا اثر آپؑ کے دل پر ایسا ہؤا کہ آپؑ کو یاد رہ گیا۔

کبھی آپؑ کے پاس لکھنؤ وغیرہ سے اخبار وغیرہ آجاتے تھے جیسا کہ لوگ بھیج دیتے ہیں۔ ایک اخبار "قُلقُل" نامی مجھے بھی آپؑ کی ڈاک میں دو چار بار آنا یاد ہے۔ ویسے مستقل طور پر تو آپؑ کے نام "اخبار عام" جاری تھا جو آپؑ منگاتے تھے۔

آپؑ نے ابتداء میں فارسی کی تعلیم بھی پائی تھی۔ شیخ سعدی اور دیوانِ حافظ نیز مثنوی مولانا رومؒ کا ذکر تو آپؑ کی زبان سے سُنا بلکہ مجھے بھی آپؑ نے چار پانچ روز خود گلستاں کا سبق پڑھایا ہے پھر یہ فرمایا کہ مولوی صاحب (حضرت خلیفۂ اوّلؓ) کو کہو یہ بھی وہی پڑھا دیا کریں مجھے اتنی فرصت نہیں ناغہ ہوگا۔ پھر مَیں نے کچھ عرصہ حضرت خلیفۂ اوّلؓ سے فارسی بھی پڑھی۔ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھانا تو مولوی عبدالکریمؓ کی وفات کے بعد آپؑ پہلے ہی ان کے سپرد کر چکے تھے۔

میرے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ حضرت اقدسؑ نے جیسا کہیں سے سُنا یا پڑھا یہ شعر شاہِ اودھ کا ہی نام لے کر پڑھا تھا اور مَیں نے بھی وہی لکھا تھا۔ اُردو شعر تو یہ یا ایک آدھ ہی اَور آپؑ کی زبانی سُنا ہے۔

والسّلام

مُبارکہ

قربِ الٰہی کے حصول کے مراحل

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورہ المومنون ع ۱)

ترجمہ :- کامل مومن اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ وہ (مومن) جو اپنی نمازوں میں عاجزانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ (باقاعدہ) دیتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک اُن کے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو کسی قسم کی ملامت نہیں کی جائیگی اور جو اِس کے سوا کسی اَور بات کی خواہش کریں گے تو وہ لوگ زیادتی کرنیوالے ہونگے۔ اور وہ لوگ (یعنی کامل مومن) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں، یہی لوگ اصل وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، اور اس میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔

اِن آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے اُس کے قرب کے چھ مراحل بیان فرماتا ہے

پہلا مرحلہ اِس راہ میں جو اللہ تعالیٰ اِن آیات میں بیان فرماتا ہے یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مومن کا پہلا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے عُجب، تکبّر،

ریاء اور اس راہ میں لاپرواہی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی خاطر عجز و انکسار اختیار کرے۔ اپنے تئیں کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے حضور جھک جائے۔ جو انسان اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے وہ نفس پرست ہے اور یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُسی انسان پر رجوع برحمت ہوتا ہے جو اپنے تئیں کچھ نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کے لئے تذلّل اختیار کرے اور خشوع و خضوع کے ساتھ اُس کے حضور جھک جائے۔ دل کی پاکیزگی کے لئے یہ پہلا امر ہے اور جب تک دل عُجب و تکبر ایسے بتوں اور آلائشوں سے پاک نہ ہو اُس میں خدا جلوہ گر نہیں ہوتا۔ دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی معزز مہمان کی آمد آمد ہو تو گھر کی صفائی کی جاتی ہے اور اُس کی تزئین کے سامان مہیّا کئے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کے گھر میں لانے کے لئے پہلا امر ضروری ہے کہ دل کو ہر قسم کے گندوں، آلائشوں اور بتوں سے پاک کیا جائے۔ فروتنی، عجز اور انکسار اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت دل میں پیدا کی جائے اور اس طرح ان آلائشوں سے نجات حاصل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی راہوں میں حائل ہوتی ہیں۔

ایک مومن کے لئے قربِ الٰہی کے حصول میں کامیابی کے لئے دوسرا مرحلہ ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے لئے ایک مومن لغو باتوں، لغو کاموں، لغو جوشوں، لغو صحبتوں، لغو لذتوں اور ہر قسم کے لغو خیالات کو ترک کر دیتا ہے۔ لغو کاموں کو چھوڑنا بہت معمولی کوشش اور توجہ چاہتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے معمولی سی قربانی کے لئے بھی تیار نہ ہو اُس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اُس کی رضا کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوگا۔ پس دوسرا مرحلہ خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کا یہ ہے کہ انسان لغو کاموں کو جن سے اُسے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا اپنے خدا کے لئے چھوڑ دے۔ یہ حقیر قربانی اُسے اللہ تعالیٰ کے لئے زیادہ قربانیوں کے لئے آمادہ کر دے گی۔ دراصل لغو کاموں، لغو جوشوں اور لغو اور بے فائدہ لذّات، لغو خیالات، لغو خواہشات اور لغو ارادوں کو خدا کے لئے ترک کر کے ایک انسان اپنی طرف سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے گا جس کے بغیر خدا تعالیٰ کا ملنا اور اُس کی رضا کا حصول ناممکن ہے۔ پس اپنے نفس پر موت وارد کرنے کا یہ دوسرا مرحلہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنّت کے حصول کے لئے تیار کر دیتا ہے۔

تیسرا مرحلہ جو اللہ تعالیٰ ایک مومن کی اِس راہ میں کامیابی کے لئے اِن آیات میں بیان فرماتا ہے یہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنّت حاصل کرنے کے لئے

ایک مردِ مومن نہ صرف یہ کہ لغو خواہشات، لغو خیالات اور لغو باتوں کو چھوڑ دیتا ہے بلکہ اس کی خاطر مال قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ مال کی قربانی لغو باتوں کو چھوڑ دینے سے زیادہ مشکل ہے۔ خون پسینہ ایک کرکے کمایا ہوا مال انسان کو بہت عزیز ہوتا ہے کیونکہ اس پر اس کی زندگی کے آرام و آسائش کا مدار ہوتا ہے۔ مگر جب ایک مومن اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا مال قربان کر دینے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے تو وہ اس راہ میں ایک قدم اَور آگے بڑھ جاتا ہے اور ایک زینہ اَور اُوپر ہو جاتا ہے۔ پس انفاقِ فی سبیل اللہ نفس کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ایک اَور ذریعہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے اَور زیادہ قریب کر دیتا ہے۔

اس راہ میں چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ ایک مومن ناجائز شہواتِ نفسانیہ کو خدا کی رضا کے حصول کے لئے چھوڑ دے۔ شہوات کا ترک کرنا مال کی قربانی سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ انسان کے سر پر جنون سوار ہوتا ہے جس سے خیر و شر، نفع اور نقصان کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ پس ایسی حالت میں نفسِ انسانی پر قابو پانا اور شہواتِ نفسانیہ کو ترک کر دینا زیادہ محنت اور زیادہ قربانی کا مقتضی ہے۔ ایک مومن اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے نفس پر ایک موت وارد کر لیتا ہے جبکہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ناجائز ذرائع ترک کر دیتا ہے۔ جب ایک انسان خدا کے لئے اپنی شہوات سے دستبردار ہو جاتا ہے تو وہ ایک مرحلہ خدا تعالیٰ کے اَور قریب ہو جاتا ہے۔

پانچواں مرحلہ مومن کی قوتِ ایمانی میں اَور زیادہ ترقی کے لئے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے لئے صرف کبر و غرور ہی کو نہ چھوڑے، لغو کام ترک کر دینے پر ہی اکتفا نہ کرے اور اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل ہی سے کام نہ لے، شہواتِ نفسانیہ ہی کو قربان نہ کرے بلکہ اس راہ میں اپنے نفس تک پر موت وارد کرلے تا اسے نئی زندگی مل جائے۔ وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان تک فدا کرنے پر تیار ہو جائے۔ یہ قربانی بہت مشکل ہے۔ انسان اپنی جان کو بچانے کے لئے عزیز سے عزیز متاع کو بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے لیکن جب ایک مومن اپنے خدا کی رضا کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے پر حقیقتاً آمادہ ہو جائے تو وہ ایمان کے زینہ پر ایک قدم اَور بڑھاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ انسان کا نفس اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی زندگی وقف کر کے موت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ گویا خدا کی امانت جو اس کے پاس ہے واپس دے دینے پر تیار ہو جاتا ہے اور اس طرح ایک مرحلہ اَور طے کر کے خدا تعالیٰ کے اَور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص ہر قدم

پھونک پھونک کر رکھتا ہے اور وہ ذمہ داریاں جو اس پر عائد ہوتی ہیں، خواہ دنیوی علائق سے وابستہ ہوں یا خدا تعالیٰ سے اُن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے وہ ہمیشہ خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتا ہے اِس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرنا برداشت نہیں کر سکتا اور ہر ایسے کام سے وہ اجتناب کرتا ہے جو اُس کی ناراضگی کا موجب ہو۔

یہ انتہائی قربانی ہے جو ایک انسان اپنے رب کے حضور پیش کر سکتا ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو کر ــــ اپنی موہبت کے طور پر نہ کہ اس کے کسی استحقاق کی وجہ سے ــــ محض اپنے فضل سے اُسے اپنی رضا کی جنّت میں داخل کر لیتا ہے۔ جب ایک بندۂ مومن اپنے تئیں اُس کے لئے فنا کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے ایک نئی رُوح دیتا ہے اور اسے ایک نئی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”چونکہ مومن اپنی محبتِ ذاتیہ میں خدا کی راہ میں اپنی جان وقف کرتا ہے اس لئے خدا کی محبتِ ذاتیہ کی رُوح کو پاتا ہے جس کے ساتھ رُوح القدس شامل ہوتا ہے۔ خدا کی محبتِ ذاتیہ ایک رُوح ہے اور رُوح اپنا کام مومن کے اندر کرتی ہے اس لئے وہ خود رُوح ہے اور رُوح القدس اس سے جُدا نہیں کیونکہ اِس محبت اور رُوح القدس میں کبھی انفکاک ہو ہی نہیں سکتا........ اور جب رُوح کسی مومن پر نازل ہوتی ہے تو تمام بوجھ عبادات کا اس کے سر پر سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس میں ایک ایسی قوت اور لذّت آجاتی ہے جو وہ قوّت تکلّف سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے یادِ الٰہی اس سے کراتی ہے اور عاشقانہ جوش اس کو بخشتی ہے۔ پس ایسا مومن جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہر وقت آستانۂ الٰہی کے آگے حاضر رہتا ہے اور حضرت عزّت کی دائمی ہمسائیگی اس کے نصیب ہو جاتی ہے۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

اِسی سلسلہ میں مزید تشریح فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

”یہ وہی مرتبہ ہے جس میں مومن کی محبتِ ذاتیہ اپنے کمال کو پہنچ کر اللہ جلّشانہ کی محبتِ ذاتیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی وہ محبت ذاتی مومن کے اندر داخل ہوتی اور اُس پر احاطہ کرتی ہے جس سے ایک نئی اور فوق العادت طاقت مومن کو ملتی ہے اور وہ ایمانی طاقت ایمان میں ایک ایسی زندگی پیدا کرتی ہے جیسے ایک قالب بے جان میں رُوح داخل ہو جاتی ہے بلکہ وہ مومن میں داخل ہو کر درحقیقت ایک رُوح کا کام

کرتی ہے تمام قویٰ میں اس سے ایک نور پیدا ہوتا ہے اور رُوح القدس کی تائید ایسے مومن کے شاملِ حال ہوتی ہے کہ وہ باتیں اور وہ علوم جو انسانی طاقت سے برتر ہیں اس درجہ کے مومن پر کھولے جاتے ہیں اور اس درجہ کا مومن ایمانی ترقیات کے تمام مراتب طے کرکے ان ظلی کمالات کی وجہ سے جو حضرتِ عزّت کے کمالات سے اُس کو ملتے ہیں آسمان پر خلیفۃ اللہ کا لقب پاتا ہے کیونکہ جیسا کہ ایک شخص جب آئینہ کے مقابل پر کھڑا ہوتا ہے تو تمام نقوش اُس کے مُنہ کے نہایت صفائی سے آئینہ میں منعکس ہو جاتے ہیں ایسا ہی اِس درجہ کا مومن جو نہ صرف ترکِ نفس کرتا ہے بلکہ نفیٔ وجود اور ترکِ نفس کے کام کو اِس درجہ کے کمال تک پہنچاتا ہے کہ اس کے وجود میں سے کچھ بھی نہیں رہتا اور صرف آئینہ کے رنگ میں ہو جاتا ہے تب ذاتِ الٰہی کے تمام نقوش اور تمام اخلاق اُس میں مندرج ہو جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم)

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے عاجز بندوں کی کمزوریاں دُور فرمائے، اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے، اپنی رضا کی راہوں پہ چلائے اور حقیقی معنی میں اپنا سب کچھ اُس کی راہ میں وقف کرکے اس راہ میں کھو جانے اور اپنے نفسوں پر موت وارد کر لینے کی توفیق عطا فرمائے آمین وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔

(قربِ الٰہی اور اس کے حصول کے مراحل کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحات ۳۲ تا ۸۲)

کبریائی خدا کے واسطے ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"کبریائی خدا کے واسطے ہے ۔ جو لوگ تکبّر نہیں کرتے اور انکسار سے کام لیتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتے ۔"

(ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۲۸۱)

تقویٰ کی باریک راہیں

(محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

تقویٰ کے تفصیلی معنے مَیں اپنی ایک تقریر "تقویٰ اللہ اور اس کے حصول کے ذرائع" میں بیان کر چکا ہوں جو جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء کے موقعہ پر کی گئی تھی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نفس کو گناہوں سے بچائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اور تقویٰ کامل تب ہوتا ہے جب انسان گناہ کی حدوں کے قریب بھی نہ جائے تاکہ اس سے کلیتہً محفوظ رہ سکے۔

سو تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے کے لئے نیکیوں اور بدیوں کا باریک علم حاصل کرنا ضروری ہے بعض نیکیاں بڑی ہیں اور بعض چھوٹی۔ مثلاً نماز ہے اور راستے سے ایذا دینے والی چیز کا ہٹا دینا ہے۔ دونوں نیکیاں ہیں لیکن دونوں کی حیثیت ایک نہیں۔ اسی طرح بعض بدیاں کبیرہ ہیں اور بعض صغیرہ پہلی کی مثال شرک، قتل، جھوٹ، زنا اور رشوت ہیں۔ اور دوسری کی مثال کسی سے ناواجب طور پر ترشروئی سے پیش آنا، لغو باتیں کرنا وغیرہ۔ علاوہ ازیں ہر نیکی میں اعلیٰ حصہ بھی ہوتا ہے اور ادنیٰ بھی۔ یعنی اس کو خوبصورتی اور اُن کی تمام شرائط کے ساتھ بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور ایسے طور سے بھی کہ نیکی ہونے کے باوجود اُس میں نیکی والی کوئی بات نہ رہے اور اُلٹا انسان کو نقصان پہنچا دے۔ مثال کے طور پر نماز ایک بہت بڑی نیکی ہے جس کا قرآن کریم میں بیسیوں جگہ تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور اس کے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ ایک نماز پڑھنے والے کی نماز اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کی مصداق بن جاتی ہے یعنی اُسے ہر قسم کی بے حیائی اور بُرائی سے باز رکھتی ہے اور اُس کے اندر پاکیزگی پیدا کرتی ہے اور اس کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کے مطابق معراج یعنی بڑی سے بڑی بلندیوں کا ذریعہ بن جاتی ہے اور وہ خدا کا خاص قرب حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہی نماز انسان کی ہلاکت کا موجب بھی بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (سورۃ الماعون) یعنی افسوس یا ہلاکت ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سُستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں (یعنی انہیں غفلت اور بے توجہی

سے ادا کرتے ہیں گویا ایک مصیبت پڑی ہوئی ہے جس سے چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں) اور وہ محض دکھاوے سے کام لیتے ہیں (یعنی نماز سے غرض خدا تعالیٰ کو راضی کرنا اور اُس کا قُرب حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ محض یہ ہوتا ہے کہ لوگ انہیں دیکھ کر نمازی سمجھیں اور سوسائٹی میں اُن کی عزت ہو) اور اُن کی نمازیں اُنہیں اس قابل بھی نہیں بناتیں کہ وہ لوگوں سے خسّت کا معاملہ نہ کریں اور انہیں معمولی معمولی اشیاء کے استعمال سے نہ روکیں۔ تو یہی نماز ایک شخص کو آسمان پر لے گئی اور دوسرے کو تحت الثریٰ میں۔

نمازوں کے متعلق تقویٰ کی باریک راہ یہ ہے کہ وہ اُن سب شرائط کے ساتھ ادا کی جائیں جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے مقرر فرمائی ہیں۔ وہ بدن اور کپڑوں کی طہارت کے ساتھ ادا کی جائیں۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا اس کو عذاب دیا جا رہا ہے اور اسلئے دیا جا رہا ہے کہ یہ پیشاب ایسی طرح بیٹھ کر کرتا تھا کہ چھینٹے اس کے کپڑوں پر پڑتے تھے۔ پھر نمازوں کو وقت پر ادا کیا جائے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عصر کی نماز ایسے وقت میں ادا کرتا ہے جب سورج کی روشنی زرد پڑ جاتی ہے اور وہ غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وہ منافق ہے۔ آپؐ نے نمازوں کو اوّل وقت میں ادا کرنے کو پسند فرمایا۔ ہر نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ جو لوگ صبح کی نماز کے وقت مسجد میں نہیں آتے میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی اَور کو امام کھڑا کر جاؤں اور اُن کے گھروں کو اُن کے سمیت آگ لگا دوں۔ پھر نمازیں توجہ اور خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کی جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ (سورہ مومنون رکوع ۱) یعنی وہی مومن اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اور خضوع اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے ربّ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہیں کہ وہ ان کی کمزوریوں کو ڈھانپ لے اور انہیں ہر قسم کی ہلاکت سے محفوظ فرمائے اور اپنے فضل اور رحم سے انہیں ترقیات عطا فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں احسان یہ ہے کہ نمازوں کو ایسی طرح سے ادا کیا جائے کہ گویا تُو خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ بات حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم یہ کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کیفیت سے نماز میں حقیقی خوبصورتی پیدا ہوتی ہے جس کا نام احسان ہے۔ پھر نمازوں میں ہمیشگی ضروری ہے۔ کبھی بھی کسی نماز کا ناغہ نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ کہ وہ اپنی نمازوں میں دوام اختیار کرتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ ایک سخت بھوکا آدمی اپنی روٹی کی حفاظت کرتا ہے جب اسے اَور روٹی میسر نہ آ سکتی ہو۔

پھر نمازوں میں فرائض کے علاوہ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ باریک راہوں کی تلاش والا انسان نوافل بھی ادا کرتا ہے۔ فرض نمازوں کے نوافل بھی اور تہجد کے نوافل بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ مَیں اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے۔ اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے پس ایک حقیقی متقی نوافل سے کس طرح غافل رہ سکتا ہے۔

اسی طرح روزوں کا حال ہے۔ روزے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی جزا خود وہ خدائے عظیم بن جاتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے روزے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا اعلیٰ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے ان کی باریک شرائط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ صحتِ نیّت، ذکرِ الٰہی میں شغف، زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب کو برابر کا روزے دار بنانا یعنی ان کی توجہ خدا کی طرف رکھنا اور انہیں بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی لغویات سے بچانا، نہ بے حیا دیکھنا، نہ گانا بجانا سُننا، نہ فضول اور لغو باتیں کرنا، نہ لغو کام کرنا، اگر کوئی لڑائی بھی کرے تو خاموش رہنا اور اُسے کہہ دینا کہ مَیں روزہ دار ہوں۔ تلاوتِ قرآن کریم عام دنوں سے زیادہ کرنا، دعاؤں میں لگے رہنا۔ اگر یہ سب کچھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے خاص طور پر اس کے لئے کھولے جاتے ہیں۔ لیکن اگر روزہ بھی رکھا اور جھوٹ بھی بولتے رہے، بددیانتی بھی کرتے رہے تو ایسا روزہ انسان کو کچھ بھی نفع نہیں دیتا۔

ایسا ہی خدا تعالیٰ کے لئے اپنی طاقتوں اور مال کا خرچ کرنا ہے۔ ایک ان کو پورے ذوق و شوق اور محبت اور کامل اخلاص کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ وہ اس ذریعہ سے کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے۔ اور دوسرا وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (التوبہ آیت ۵۴) کا مصداق ہوتا ہے۔ آگے آگے وہ ہوتا ہے اور پیچھے پیچھے محصل۔ اور قابو بھی آجائے تو بڑی کراہت سے دیتا ہے۔ وہ اِس طور سے اپنے نفاق پر مُہر لگاتا ہے۔ سو طاقتوں اور مال کے خرچ کرنے کے لئے بڑی بڑی باریک راہیں ہیں۔ ہر وقت خدا کے لئے بوجھ اُٹھانا اور اُس کے دین کے کام میں مستغرق رہنا، ہر طرف ثواب کے موقعہ کی تلاش رکھنا اور چھوٹے سے چھوٹے موقعہ کو بھی ہاتھ سے نکلنے نہ دینا، سلسلہ کی سب ضروریات کو سامنے رکھنا اور اپنی طاقت کی آخری حد تک انہیں پورا کرنے کی کوشش کرنا، دین کی ضروریات کو فی الحقیقت اپنی ضروریات پر ترجیح دینا ۔۔۔ یہ وہ راہیں ہیں جن پر چلنے سے خدا ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے بھی بڑے درجات ہیں اور جب انسان انکے باریک حصوں کو بھی پیدا کرتا ہے تو اس کے وجود میں ایک خاص کشش پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے سعید روحیں اس کی طرف اسی طرح کھینچی جاتی ہیں جس طرح شہد کی طرف چیونٹیاں یا مقناطیس کی طرف لوہا۔ وہ مخلوق کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ اُن کی ہدایت کے لئے جان گداز کر دینے والا غم برداشت کرتے ہیں اور لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (کہف آیت ۴) والا نقشہ پیش کرتے ہیں، رات اور دن اُن کے لئے محنت کرتے ہیں، اُن کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی برداشت کرنی پڑے، تا اُن کے رب کا فرمان پورا ہو۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر آیت ۱)۔ اُن کی گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیتے ہیں اور اُن کی ایذاؤں کا جواب اُن کے لئے ہدایت مانگنے سے۔ تب ان کا وجود انسانوں کے لئے ایک چشمۂ صافی بن جاتا ہے اور سعید روحیں اس پر اپنا منہ رکھ دیتی ہیں تا سیراب ہوں اور اُن کے نیک کاموں کو اُن کے لئے باقی چھوڑا جاتا ہے تا اُن کے لئے ہمیشہ ہمیش کے لئے اجر کا موجب ہوں۔

نیکیوں میں سے ایک محبتِ الٰہی ہے بلکہ یہ سب نیکیوں کا نچوڑ ہے۔ اس کی راہیں بہت باریک در باریک ہیں۔ کسی نے اِن کے اُوپر قدم مارا کہ اس کے وجود کا کچھ باقی نہ رہ گیا۔ خدا کے لئے کامل فنا کا نام ہی محبت ہے۔ اس کے اشاروں کو سمجھنا، اُس پر ہر دم قربان ہونا، اُس کے لئے بدی سے بیزار ہو کر الگ ہو جانا اور نیکی کو سنوار کر ادا کرنا، اُس کی رضا کے حصول کے لئے نہ تھکنا، نہ درماندہ ہونا۔ یہ اور بہت کچھ اور اسکے تقاضے ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کرنے کے لئے خدا کا مسیح ہی چاہیئے جو مرتا یا اس کے عشق سے معمور ہو گیا اور خوب ہی اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ وہ کیا خوب فرماتا ہے ؎

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
مَیں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں
کہاں ہم اور کہاں دنیائے مادی فسبحان الذی اخزی الاعادی

ان کے علاوہ بیسیوں اور نیکیاں ہیں اور ان کے بڑے بڑے باریک حصے ہیں لیکن یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اب چند ایک بدیوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جن سے بچنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب تک ان کی باریکی تک نگاہ نہ جائے ان سے کما حقہٗ پرہیز نہیں ہو سکتا۔

ظاہری بدیوں میں سے صرف شرک کو لیتا ہوں اور باطنی بدیوں میں سے کبر، ریاء، خودپسندی اور کسل کو۔
شرک صرف اس بات کا ہی نام نہیں کہ کسی بُت کی پُوجا کی جائے جیسا کہ ہندو اُن کے آگے ماتھا ٹیکتے

ہیں اور ان سے حاجتیں مانگتے ہیں، بلکہ کسی چیز یا کسی انسان کو بھی یہ مرتبہ دینا کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کرسکتا ہے بُت پرستی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کے علاوہ اور کسی صفت کا مالک غیر اللہ کو قرار دے لینا اپنے لئے بُت بنا لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی دراصل سب صفاتِ حسنہ کا مالک ہے، وہی رب ہے، وہی رحمان ہے، وہی رحیم ہے، وہی مالک یوم الدین ہے، وہی نیک ہے، وہی قدوس ہے، وہی عزیز ہے، وہی علیم ہے، غرضیکہ سب صفاتِ حسنہ کا وہی مالک ہے۔ باقی جس کو اس کی طرف سے کوئی خوبی دی جاتی ہے وہ محض عارضی ہے اور اس کی مرضی کے تابع۔ اصل سرچشمہ وہی ہے۔ اس سرچشمہ میں کسی اور کو حصہ دار بنانا شرک ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو انسان اور خدا کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اس کے لئے بُت کی حیثیت رکھتی ہے، خواہ وہ مال و دولت ہو، خواہ بیوی اور اولاد ہو، خواہ دوست و یار ہوں، خواہ عزت اور شہرت ہو، خواہ آرام و آسائش ہو۔ جس چیز کو بھی وہ خدا کے لئے قربان نہ کر سکے وہ ایک بُت ہوتا ہے جس کی وہ پرستش کر رہا ہوتا ہے۔ سچی توحید یہ ہوتی ہے کہ انسان کی نگاہ میں خدا کے سوا کوئی چیز بھی قدر و قیمت نہ رکھے اور ہر چیز ذلیل نظر آئے۔ جھوٹ بولنا بھی ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ انسان کسی کے ڈر کی وجہ سے ہی جھوٹ بولتا ہے حالانکہ ڈر صرف خدا کا ہونا چاہیئے۔ مخلوق کا کیا ڈر۔

باطنی بدیوں میں سے ایک کبر ہے۔ کبر کی تفصیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اسلئے میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبّر سے بچو۔ کیونکہ تکبّر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر شاید تم نہیں سمجھو گے کہ تکبّر کیا چیز ہے۔ پس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی رُوح سے بولتا ہوں۔

ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اسلئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اُس سے زیادہ عالم یا عقلمند یا زیادہ ہُنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اُس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اُس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اُس سے بہتر عقل اور علم اور ہُنر دے دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصوّر کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اُس کو دی تھی۔ اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اُس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اُس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حُسن

اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اُس کے بدنی عیوب لوگوں کو سُناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اُس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اُس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اُس بھائی سے اُس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اُس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سُست ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور طاقتوں کے سرچشمہ کو اُس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سو تم اے عزیزو اِن تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سُننا نہیں چاہتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اُس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سُنتا اور اُس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اُس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جُھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اُس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو۔"

(نزول المسیح صہ ۲۷-۲۵)

اِس کا تجزیہ کیا جائے تو تکبر میں یہ باتیں داخل ہیں :-

۱۔ اپنے آپ کو کسی سے زیادہ عالم یا عقلمند سمجھنا۔

۲۔ اپنے مال اور وجاہت کی وجہ سے اپنے کسی بھائی کو حقیر سمجھنا۔

۳۔ اپنی صحتِ بدنی یا اپنے حُسن و جمال اور قوت و طاقت پر نازاں ہونا۔

۴۔ دوسروں کے ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھنا اور اُن کے بدنی عیوب جتانا۔

۵- اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سُست ہونا۔
۶- اپنے بھائی کے کسی غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرنا۔
۷- اپنے بھائی کی بات تواضع سے نہ سُننا اور مُنہ پھیر لینا۔
۸- اپنے پاس بیٹھے ہوئے غریب بھائی سے کراہت کرنا۔
۹- دعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھنا۔
۱۰- خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہ سُننا اور اُس کی تحریروں کو غور سے نہ پڑھنا۔

تکبّر کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کا خاصہ بتایا ہے لیکن اس کے کیسے کیسے باریک پہلو ہیں۔ اور ڈر ہوتا ہے کہ انسان سے تکبّر کا اظہار نہ ہو جائے یا دل میں تکبّر کا احساس نہ پیدا ہو جائے۔ اپنے کسی بھائی کو خط کا جواب نہ دینا بھی کبر ہے۔ ایک متقی انسان کسی پہلو سے بھی کبر اپنے اندر داخل ہونے نہیں دیتا اور غربت اور مسکینی اور تذلّل کی راہ اختیار کرتا ہے تا اُس کا رب اُس سے بیزار نہ ہو جائے۔

ریاء۔ ریاء کے باریک پہلوؤں سے بچنا بہت مشکل ہے۔ ریاء انسانی اعمال کو گھُن کی طرح کھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو کسی غذا کو بھی جسم کا حصہ بننے نہیں دیتی۔ انسان جب اپنی نیکیوں کا محور خدا کی بجائے انسان کو بنا لیتا ہے تو وہ ریاکار ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے اعمال خدا تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں اور لوٹا کر اُسی کے مُنہ پر مار دیئے جاتے ہیں۔ گویا جن کے لئے وہ کام ہوتے ہیں لوگ انہیں سے اجر کے مستحق ٹھہرائے جاتے ہیں۔ خدا کے لئے ہوں تو خدا سے اور انسانوں کے لئے ہوں تو انسانوں سے۔ پس ایک متقی انسان ڈرتا ہے کہ اس کے اعمال انسانوں کے لئے ہو کر اپنا اجر تعریف اور شہرت کی شکل میں یا کسی عہدہ کی شکل میں اسی دنیا میں حاصل کر کے ختم نہ ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے خالق و مالک کے حضور میں خالی ہاتھ واپس جائے اور ابدی جہنّم میں ڈال دیا جائے۔ مقرّبین کے لئے بھی مقامِ ابتلا ہوتا ہے۔ اگر خالص خدا کی خوشنودی کی بجائے لوگوں سے واہ واہ کروانا مقصود ہو جائے تو خدا تعالیٰ اسے ایک ردّی چیز کی طرح پھینک دیتا ہے۔ یہی حال باقی اعمال کا ہے۔ اُن کے صالح بنانے کے لئے ان میں کامل خلوص کا ہونا ضروری ہوتا ہے یعنی ان کا محض خدا تعالیٰ کے لئے ہونا۔

خود پسندی بھی ایک ایسی بدی ہے جس سے بچنا خدا کے خاص فضل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اِس بات پر یقین رکھنا کہ ہم مفلس محض ہیں اور تمام خوبیوں سے عاری۔ اور خدا تعالیٰ کو سب خوبیوں کا مالک جاننا خود پسندی کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کی مثال اُس دیوار کے ساتھ دی ہے جو سورج کے بالمقابل آئے تو روشن ہو جاتی ہے لیکن سورج آگے سے ہٹ جائے

تو اُسی طرح تاریک کی تاریک رہتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ جب خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس پر اپنا نور ڈالتا ہے تو وہ اُس نور سے حصّہ لیتا ہے ورنہ اسی طرح اندھیروں میں رہتا ہے۔ سو انسان کے اندر کوئی ذاتی خوبی نہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستعار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اُسے اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

کسل یا غفلت ۔ یہ بھی بہت سے پہلو رکھتی ہے اور ان کو نظر انداز کر دینا ترقیات سے محروم رکھتا ہے۔ انسان محنت کے لئے پیدا ہوا ہے اور اِس سے وہ اپنا گوہرِ مقصود حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۔

(سورۃ الانشقاق پارہ ۳۰)

یعنی اے انسان تُو اپنے رب کی طرف پُورا زور لگا کر جانے والا ہے اور پھر اُس سے ملنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی زیارت عمر بھر محنت کرکے تجھے نصیب ہوگی۔ سو اپنے وقت کی پُوری حفاظت نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے محنت اور مشقت سے گریز کرنا بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔ کیونکہ درحقیقت ہر وہ چیز گناہ ہے جو انسان کی ترقی کے راستے میں حائل ہو جائے۔ اِسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی سکھائی۔ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اِس بات سے کہ میں سامانوں کو مہیا نہ کرسکوں اور اِس بات سے کہ کسل اور سُستی کی وجہ سے اُن سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی طاقتیں دے کر بھیجا ہے۔ محنت کے ساتھ ان سے فائدہ نہ اٹھانا اور ترقیات کو حاصل نہ کرنا اس کے لئے سخت خسارے کا موجب ہوتا ہے ✦

اسلام میں عمدہ لوگ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اسلام میں عمدہ لوگ وہی گزرے ہیں جنہوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ پرواہ نہ کی۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۲۵)

انکسار و اطاعت اور نظامِ سلسلہ کا احترام

صحابۂ حضرت مسیح موعودؑ کا قابلِ رشک نمونہ

(محترم مولانا غلام احمد صاحب فرخ مربی سلسلہ مقیم حیدر آباد)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوؔ بعثتیں ہیں۔ ایک بعثتِ اولیٰ جو حضورؐ کے اپنے وجودِ باجود میں ہوئی اور حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور زندہ تجلیات کے زبردست نمونے دکھا کر عرب کی سرزمین میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کیا اور اس طرح قدوسیوں کی ایک عدیم المثال جماعت وجود میں آئی۔

حضورؐ کی دوسری بعثت مسیح موعودؑ کے وجود میں بروزی اور ظلّی رنگ میں مقدر تھی اور بتایا گیا تھا کہ مسیح موعود صحابہؓ جیسی ایک جماعت کی تربیت کرے گا۔ اس پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو "مسیح موعود" کے مقام پر فائز فرمایا اور صحابہؓ کی طرح آپ کو بھی ایک پاکباز اور تقویٰ شعار اور اطاعت گزار جماعت عطا فرمائی جس نے اپنے اندر ایک حیرت انگیز تبدیلی کی اور دنیا کو ایک دفعہ پھر صحابہؓ کی سی جاں نثار اور اطاعت شعار جماعت کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروؤں سے جو اُن کی زندگی میں اُن پر ایمان لائے تھے ہزارہا درجہ اِن کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرے پر صحابہؓ کا اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔"

(الذکر الحکیم)

۱۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مَیں اِس وقت صحابۂ مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے اس پہلو کو کہ وہ انکسار، اطاعت اور نظامِ سلسلہ کا احترام کس اعلیٰ اور ارفع اور بے مثال رنگ میں کرتے تھے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلے مَیں حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) محترم ماسٹر اللہ دتا صاحب سیالکوٹی کا بیان ہے :-

"سنہ ۱۹۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ مَیں دارالامان میں موجود تھا۔ ان دنوں ایک نواب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں علاج کے لئے آئے ہوئے تھے جن کے لئے ایک الگ مکان تھا۔ ایک دن نواب صاحب کے اہلکار حضرت مولوی صاحب کے پاس آئے جن میں ایک مسلمان اور ایک سکھ تھا۔ اور عرض کیا کہ نواب صاحب کے علاقہ میں لاٹ صاحب آنے والے ہیں آپ ان لوگوں کے تعلقات کو جانتے ہیں اس لئے نواب صاحب کا منشا ہے کہ آپ ان کے ہمراہ وہاں تشریف لے جائیں۔ حضرت مولوی صاحب رضؓ نے فرمایا کہ مَیں اپنی جان کا مالک نہیں۔ میرا ایک آقا ہے اگر وہ مجھے بھیج دے تو مجھے کیا انکار ہے۔ پھر ظہر کے وقت وہ اہلکار مسجد میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ حضورؑ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ اگر ہم مولوی صاحب کو آگ میں کودنے یا پانی میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں تو وہ انکار نہ کریں گے لیکن مولوی صاحب کے وجود سے یہاں ہزاروں لوگوں کو ہر وقت فیض پہنچتا ہے۔ قرآن حدیث کا درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں بیماروں کا ہر روز علاج کرتے ہیں۔ ایک دنیاداری کے کام کے لئے ہم اتنا فیض بند نہیں کر سکتے۔

اس دن جب آپؓ عصر کے بعد درس قرآن کریم دینے لگے تو خوشی کی وجہ سے مُنہ سے الفاظ نہ نکلتے تھے۔ فرمایا مجھے آج اِس قدر خوشی ہے کہ بولنا محال ہے اور وہ یہ کہ مَیں ہر وقت اِس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ میرا آقا مجھ سے خوش ہو جائے۔ آج میرے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ میرے آقا نے میری نسبت اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر نور الدین کو آگ میں جلائیں یا پانی میں ڈبو دیں تو پھر بھی وہ انکار نہیں کرے گا۔"

(۲) محترم جناب حکیم محمد صدیق صاحب آف میانی فرماتے ہیں کہ :-

"ایک دفعہ جب آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ) مطب میں بیٹھے تھے ارد گرد لوگوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ مولوی صاحب! حضور یاد فرماتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی اِس طرح گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھے کہ پگڑی باندھتے جاتے تھے اور جُوتا گھسیٹتے جاتے تھے۔ گویا دل میں یہ تھا کہ حضورؑ کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔

پھر جب خلیفہ ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تم جانتے ہو نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا جسے مرزا کہتے تھے۔ نورالدین اس کے پیچھے یوں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اُسے اپنے جُوتے اور پگڑی کا بھی ہوش نہیں ہوا کرتا تھا۔" (حیاتِ نور ص۱۸۹)

(۳) آپؓ کے عدیم المثال مقامِ اطاعت کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت اور توکل علی اللہ اور اطاعتِ امام میں ایسا مقام رکھتے تھے جو بعض لحاظ سے عدیم المثال تھا۔ آپ کی تعریف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر کافی ہے ؎

چہ خوش بودے اگر ہریک زامت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس مردِ مومن کے متعلق یہ شاندار توصیفی الفاظ استعمال کئے ہیں کہ مولوی نورالدین صاحب اِس طرح میری پیروی کرتے ہیں جس طرح انسان کی نبض اُس کے دل کی حرکت کے پیچھے چلتی ہے۔ حقیقتاً حضرت مولوی صاحبؓ کا مقامِ اطاعت اور مقامِ توکل بہت ہی بلند تھا۔" (حیاتِ نور ص۵)

۲۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دوسری مثال حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ کی منکسر المزاجی اور اطاعتِ امام کا مقام بھی بہت بلند ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ (قادیان میں) مجھے نواب صاحب کی کوٹھی "دارالسلام" جانے کا اتفاق ہوا تو نواب صاحب وہاں باغ میں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر میری طرف متوجہ ہوئے اور قریب آکر مصافحہ بھی فرمایا اور پھر بیس پچیس منٹ تک باغ میں ٹہلتے ہوئے میرے ساتھ

بعض آیاتِ قرآنیہ کے حقائق و معارف بھی بیان فرماتے رہے اور مجھ سے بھی سُنتے رہے اور اس طرح یہ وقت ہمارے لئے علمی مذاکرات کے لحاظ سے نہایت ہی دلچسپی کا باعث ہوا۔ اس سے میری طبیعت نے اندازہ لگایا کہ نواب صاحب باوجودیکہ نواب خاندان کے نازپروردہ اور بلحاظ دولت و ثروت امارت پُر عظمت ہستی کی طبیعت اور شان رکھنے والے تھے لیکن جب انہیں قریب ہو کر دیکھنے کا موقعہ ملا تو ایسا معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت کبر و خیلاء اور متکبرانہ نخوت و غرور کی آلائش سے بالکل پاک ہے اور یہ کہ آپ امیر ہو کر درویش سیرت فقیر بھی ہیں اور علمی مذاق اور دینداری کے لحاظ سے نہایت متشرع اور متورع اور محاسن فطرت اور حسنِ اخلاق سے مزین طبیعت رکھنے والے۔" (اصحاب احمد حصہ دوم صفحہ ۳۸۶)

(۲) اسی سلسلہ میں محترم حافظ غلام رسول صاحب لنگوی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک کا ایک واقعہ اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"ایک دن نمازِ عصر ہو رہی تھی اور مسجد مبارک میں صفیں پُر ہو چکی تھیں کیونکہ اُن دنوں مسجد مبارک بہت چھوٹی تھی۔ سب سے پچھلی صف میں خاکسار اور ایک شخص حاکم نامی احمدی ہمارے گاؤں کا زمیندار کھڑے تھے کہ اتنے میں نواب محمد علی خان صاحب معہ دو کس معززین کے تشریف لائے۔ حاکم نے کہا کہ نواب صاحب آئے ہیں میں اپنی جگہ ان کو دے دیتا ہوں۔ اُس نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ نواب صاحب نے فرمایا نہیں میں نہیں کھڑا ہوں گا۔ یہ جگہ آپ کی ہے آپ اسی جگہ کھڑے رہیں میں یہیں نماز پڑھ لوں گا۔ پھر آپ نے اپنا کپڑا جُوتیوں کے اُوپر ہی بچھا لیا اور اُن دونوں معززین کے ساتھ وہیں نماز ادا کی۔ اسلام نے جو مساوات سکھائی ہے اس کا عملی نمونہ حضور علیہ السلام کی صحبت میں ہی ملتا ہے۔"

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۹۴)

نواب صاحب کے دل میں حد درجہ فروتنی کے باعث دیگر امراء کی طرح غرباء سے جذبات حقارت کا نہ ہونا تو الگ رہا آپ کا دل ان کے لئے جذباتِ محبت و شفقت سے پُر رہتا تھا۔ آپ انہیں اپنے جیسا انسان خیال کرتے تھے اور اُن سے اُس حُسنِ سلوک سے پیش آتے تھے کہ جس سے اسلامی مساوات آشکارا ہو۔ اسی طرح خلافت اولیٰ کا واقعہ ہے مکرم مرزا عبدالغنی صاحب سابق محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت نواب صاحب جمعہ کے لئے تشریف لائے۔ جوتیوں میں جگہ ملی۔ آپ وہیں بیٹھ گئے باوجودیکہ لوگ کہتے رہے کہ آپ آگے آجائیں۔

امامِ وقت سے جو آپ کو عقیدت اور محبت تھی اور اطاعت کا جو بے نظیر جذبہ آپ میں تھا وہ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کے حسب ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ آپ فرماتی ہیں :-

"چار رخصتانہ پر ایک دو جگہ اُن کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (ایدہ اللہ) سے بظاہر اختلاف لوگوں کو نظر آیا۔ مگر وہ ذاتی رائے کا اختلاف تھا ورنہ اُن کے خیالات کی تو مَیں گواہ ہوں، ان میں نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور ایمان تھا جو ہر ایک کو نصیب نہیں۔ وہ کہتے تھے جب تک بحیثیت خلیفہ یا مامور وہ کوئی حکم نہ دیں، یا ایک امر کو قطعی واضح نہ کر دیں ہر شخص ان معمولی باتوں پر اپنے گھر میں عمل کرنے اور کروانے کا اپنی تحقیق کے مطابق مجاز ہے۔ ہاں اگر حکم دیں گے تو ان شاء اللہ سب سے پہلے شرح صدر سے ماننے والا مَیں ہوں گا۔

"اب مصلح موعود کے دعوے کے بعد تو مرض الموت میں مجھے انہوں نے کہا کہ اب آئندہ جو حضور فیصلہ کر دیں پردہ وغیرہ کے متعلق یعنی کس سے کرنا ہے اور کس سے نہیں اور بھی جو حکم دیں گے اختلافی مسائل میں اسی پر عمل تم نے کرنا ہوگا۔ اب مَیں نے اپنا ہر ذاتی خیال بالکل ان پر چھوڑ دیا ہے۔ شروع خلافت کے ایام میں کہا کرتے تھے کہ میاں صاحب نبوّت کا دعویٰ بھی کریں گے تو مَیں ابھی سے تیار ہوں کہ ان شاء اللہ ایمان لاؤں گا۔ یہ تو خلافت پر ہی بیج اُٹھے ہیں، یہ جو ہر قابل کو پرکھ نہیں سکے۔ مگر جب تک کوئی دعویٰ نہیں ہوتا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مصلح موعود کے دعویٰ پر بے حد خوش ہوئے تھے۔" (اصحاب احمد جلد دوم ص۳۰۳)

۳۔ اطاعتِ امام اور اہلِ بیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اطاعتِ امام کا جو کامل نمونہ اور شاندار اسوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلِ بیت نے دکھایا ہے وہ بھی تمام افرادِ جماعت کے لئے قابلِ اقتدار ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"اب سوال ہوتا ہے کہ خلافت حق کس کا ہے۔ ایک میرا نہایت ہی پیارا محمود ہے جو میرے آقا اور محسن کا بیٹا ہے پھر دامادی کے لحاظ سے نواب محمد علی خان کو

کہدیں ۔ پھر خسر کی حیثیت سے ناصر نواب کا حق ہے یا اُمّ المومنین کا ہے جو حضرت صاحبؑ کی بیوی ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جو خلافت کے حقدار ہو سکتے ہیں ۔ مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ خلافت کے متعلق بحث کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اُن کا حق کسی اَور نے لے لیا ۔ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ یہ سب کے سب میرے فرمانبردار اور وفادار ہیں ...... مرزا صاحبؑ کی اولاد دل سے میری فدائی ہے ۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر، شریف، ناصر نواب، نواب محمد علی خان کرتا ہے تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا ۔"

۴ ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ

منکسر المزاجی اسی سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا منکسر المزاجی کا اُسوۂ حسنہ بھی نہایت قابلِ قدر ہے ۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں فتنۂ منافقین پیدا ہونے پر آپ نے ایک مضمون میں لکھا کہ :-

" بعض خناس صفت لوگوں نے میرے متعلق یہ افترا باندھا تھا کہ وہ نعوذ باللہ مجھے اپنے خطوں میں آئندہ خلافت کی پیشکش کرتے رہتے ہیں ۔ میرے دل کا حال تو خدا جانتا ہے لیکن جو دوست میری طبیعت سے واقف ہیں وہ بھی کم از کم اِس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ میری فطرت طفیلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس الہام کے مطابق واقع ہوئی ہے کہ :-

قل اجرد نفسی من ضروب الخطاب ۔

مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی طرح کبھی کسی مجلس میں آگے بڑھ کر بیٹھنے کی بھی خواہش نہیں کی چہ جائیکہ امامت یا خلافت کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو ۔" (حیاتِ بشیر ص۱۱۳)

نیز مؤلف "حیاتِ بشیر" محترم شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم رقم فرماتے ہیں :-

" آپ کی طبیعت میں حد درجہ کی انکساری پائی جاتی تھی ۔ باوجود اس علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے کم از کم مَیں نے کبھی آپ کو نماز پڑھاتے نہیں دیکھا ۔ نہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں آپ نے کبھی پڑھائیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہمیشہ آپ کی زبان پر یہ فقرہ جاری رہتا کہ "لا لی ولا علی" کہ یا اللہ ! مَیں اپنے اعمال کے لحاظ سے کسی اجر کا تو مستحق نہیں ہاں یہ التجا ضرور کرتا ہوں کہ مجھے عذاب سے بچانا ۔" (حیاتِ بشیرؓ ص۱۸۱)

اطاعتِ امام کا نمونہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اطاعتِ امام کے لحاظ سے بھی ہمارے لئے نہایت اعلیٰ نمونہ ہیں چنانچہ محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب فرماتے ہیں :-

"آپ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور (حضورؓ کے) خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضورؓ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضورؓ کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دل کے تابع ہو۔ عمر بھر اس تعلق کو وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا۔"

(الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء)

نظامِ سلسلہ کا احترام

نظامِ سلسلہ کے احترام کی ایک مثال بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے سنئے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"ہم نے روحانیت کا شروع سے یہی سبق سیکھا ہے کہ اگر امام کی طرف سے کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں کوئی سزا دی جائے تو اُسے بشرحِ صدر قبول کرنے میں ہی برکت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ خود مجھے بھی ایک دفعہ قادیان کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک معاملہ میں -/۳۲ روپے کا جرمانہ ڈالا تھا اور مَیں یقین رکھتا تھا کہ حضور کا یہ فیصلہ غلط فہمی پر مبنی ہے مگر مَیں خاموش رہا اور جرمانہ ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نتیجہ میں بڑی برکت دی۔"

(الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکساری اور اطاعت کا جو سبق دیا تھا وہی رنگ آپؑ کے صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ÷ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

نیز فرماتے ہیں :-

وجدت السعادۃ کلّھا فی اطاعۃٍ ÷ فوفّق لآخر من خلوص و یسّر

پس ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اِن پاکیزہ اوصاف عاشقانِ الٰہی کی صحیح رنگ میں پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہی انکساری اور اطاعت کا رنگ ہم میں پیدا ہو جائے۔ آمین اللّٰھمّ آمین +

خصوصیات و برکاتِ خلافت

(۱۱)

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے)

سلسلہ کے لئے دیکھیں ماہنامہ "انصار اللہ" ماہ اخاء ۱۳۴۷ ہش (اکتوبر ۱۹۶۸ء)

سورۂ نور میں آیتِ استخلاف کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (آیت ۵۷)

یعنی تم سب مل کر نماز باجماعت قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اس رسول کی اطاعت کرو تا تم (سب کے سب) اللہ تعالیٰ کے رحم و فضل کے مورد بن سکو۔

گزشتہ مضمون میں اس آیت کریمہ کے الفاظ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کی سیاق کے لحاظ سے تشریح کی گئی تھی زیرِ نظر مضمون میں آیت کے اگلے ٹکڑے

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

کے متعلق کچھ بیان کیا جائے گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

آیتِ استخلاف کے بعد ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کے معنی یہی ہیں کہ یہ کام بھی خلافتِ حقہ کے قیام کے بغیر کما حقہٗ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"مگر جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی انتظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشاء ہے امراء سے لی جاتی ہے اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضرورِیات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہو سکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو۔ اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کر دے تو اس کے وہ خوشگوار نتائج کہاں نکل سکتے

ہیں جو اُس صورت میں نکل سکتے ہیں جبکہ زکوٰۃ ساری جماعت سے وصول کی جائے اور ساری جماعت کے غرباء میں تقسیم کی جائے۔" (تفسیر کبیر۔ سورۃ نور)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ اس حقیقی روحانی نظام کا ہی نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہونے والا اور اس کی صفات کا مظہر و نمائندہ شخص جماعت کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ جماعت کے جسم کے لئے بمنزلہ دل و دماغ کے ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت میں، اس کے بعد، افرادِ جماعت کے لئے اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شفیق و ہمدرد ہوتا ہے۔ غرباء و مساکین کی ضرورتوں اور تکالیف کا جو اُسے احساس ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ جسمِ انسانی میں تکلیف خواہ کسی بھی عضو میں ہو اُس کا درد دماغ ہی محسوس کرتا ہے اور پھر دماغ کے حکم سے ہی باقی سب اعضاء اُس کی ہمدردی میں مشغول ہوتے اور اس کی تکلیف میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی حال مومن معاشرہ کے جسم کا ہے۔ پس حقیقی طور پر فلاکت زدہ افراد کی خبر گیری تبھی ہو سکتی ہے جبکہ قوم میں ایک ایسا نقطۂ مرکزی موجود ہو جو اس قوم کے جسم میں دل و دماغ کی طرح مُطاع ہو اور مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور اپنی حقیقی اولاد کی طرح ان کے لئے جذبات رکھتا ہو اور پُوری طرح سے اُن کے دُکھ درد میں شریک ہو۔

پس ایتاء الزکوٰۃ کا نظام تمام عالمِ اسلام کے لئے ایک نقطۂ مرکزی کو چاہتا ہے۔ اگر یہ نظام ایک امام کے تحت نہ ہوگا تو صرف اِس کی وجہ سے ہی قوم میں کئی قسم کے اقتصادی و طبقاتی جھگڑے پیدا ہو جائیں گے اور خود یہی نظام گروہ بندیوں اور تشتّت کا باعث بن جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح جسم کے مختلف اعضاء کی ضرورتیں ایک نقطۂ مرکزی کے فیصلے اور اس فیصلہ کی غیر مشروط اطاعت سے ہی پُوری ہوتی ہیں۔

مثلاً ہاتھ کی انگلی پر ایک دردناک زخم ہو جاتا ہے جس کی نزاکت اور درد کو پُوری طرح سے محسوس کرتے ہوئے دماغ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ تمام باقی اعضاءِ جسم اپنے اپنے مفاد و پروگرام کو ترک کر کے اِس زخمی انگلی کی طرف ہی متوجہ ہوں۔ اور ہسپتال پہنچ کر اس کی ڈریسنگ کروائیں۔ جب دماغ یہ فیصلہ کرتا ہے تو باقی اعضاء اس کی پُوری اطاعت کرتے اور پُوری پُوری ہمدردی کے ساتھ زخمی انگلی کی مدد کرتے ہیں۔ اگر یہ سب اعضاء ایک حکم کے تابع نہ ہوتے تو انگلی کی یہ ضرورت ہی اعضاء میں تشتّت و افتراق کا باعث بن جاتی۔ شاید ٹانگیں اس بات پر معترض ہوتیں کہ ہم انگلی کی خاطر بارہ کوس کی مسافت کیوں اختیار کریں اور تھک جائیں۔ شاید آنکھیں کسی حسین و جمیل نظارہ سے

لطف اندوز ہونے کے موقع کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوتیں

بالکل اسی طرح اُمّتِ مُسلمہ میں بھی ایتاء الزکوٰۃ کا نظام ایک وحدت کو چاہتا ہے کہ تمام اموال ایک جگہ جمع ہوں، تمام قومی اور فردی ضروریات کی رپورٹیں اُسی جگہ پر آئیں پھر اسی مرکز کے فیصلہ پر عدل و انصاف اور ضروریاتِ حقّہ کی بناء پر اور زیادہ اہم اور فوری ضرورتوں کو مقدم کرتے ہوئے وہ اموال تقسیم ہوں۔ پھر اِن مرکزی احکام پر معاشرہ کے سب حصّے صاد کریں اور اِس بناء پر کوئی تفرقہ اور فساد رُونما نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو عالمِ اسلامی میں اقتصادی ضرورتوں کی بناء پر ہی گروہ بندیاں رونما ہو جائیں گی۔ اکثر دنیا کی جنگیں اور تصادم اور لڑائیاں اقتصادی وجوہات اور رزق کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ہی ہوتی رہی ہیں اور امن عالم برباد ہوتا رہا ہے۔ پس ایک مرکز اور وحدت کے بغیر ایتاءِ الزکوٰۃ کا نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

یہ خلیفۃ اللہ ہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نمائندگی میں اُسی کی شفقت علی العباد سے حصّۂ وافر لے کر تمام مخلوقِ خدا کے حقوق کا بطور ایک شفیق باپ کے پُورا پُورا خیال رکھتا ہے اور الٰہی عدل و انصاف کا مظہر بنتا ہے۔ اِس کے علاوہ خلیفۃ اللہ چونکہ امراء کے لئے بھی بطور ایک شفیق باپ اور مُطاع کے ہوتا ہے وہ بھی خوشی سے اس کے احکام پر صاد کرتے اور زکوٰۃ کے اموال کو اس کے قدموں پر نچھاور کرتے ہیں۔ غرباء اس کے ہاتھ سے وہ اموال بیٹوں کی طرح سے حاصل کرتے ہیں اور کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتے۔ دونوں طرف بلکہ تینوں طرف محبت ہی محبت کار فرما ہوتی ہے۔ ایک طرف نہ کوئی احساسِ کمتری اور نہ دوسری طرف احسان جتلانے کا جذبہ۔ امامِ وقت تو ایتاءِ ذی القربیٰ کے مقام پر ہوتا ہے اور ایک طبعی جوش اور ماں باپ سے بڑھ کر شفقت و ہمدردی سے وہ قوم کے غرباء کا خیال رکھتا ہے۔ پس وہی نظام ایتاءِ الزکوٰۃ کے مقتضیات کو کامل طور پر پُورا کر سکتا ہے جو خلیفۃ اللہ کی نگرانی میں اُسی کے زیرِ اطاعت جاری و ساری ہو۔ امراء بھی اِس رُوحانی نظام میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر زکوٰۃ ادا کرتے اور اِس کام میں ایک روحانی لذّت و بشاشت محسوس کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم نے کسی پر کوئی احسان کیا ہے بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غرباء کی ایک امانت ہمارے پاس رکھی ہوئی تھی وہ آج ہم نے انہیں ادا کر دی ہے اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں چور اور اُچکے قرار دیئے جاتے۔ پس اِس رُوحانی نظام میں زکوٰۃ ادا کرنے والے بھی روحانی لذت سے ہمکنار ہوتے ہیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے بھی اپنے رُوحانی باپ کے ہاتھ سے بغیر کسی احساسِ کمتری کے امداد وصول کرتے ہیں۔ طوعی صدقات اس کے علاوہ ہیں

جو امراء اور غرباء کو اور بھی قریب سے قریب تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملوکیت کے زمانے میں بادشاہوں نے قومی خزانوں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے ذاتی مصارف میں بے دریغ خرچ کیا۔ مگر خلافت کے زمانے میں خلیفۃ اللہ تمام قومی اموال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امین و نگران ہوتا ہے اور وہ قومی اموال کو صرف قومی ضرورتوں پر اور قوم کے غریب افراد پر ہی خرچ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ مسئلہ اُن سارے اسلامی بادشاہوں کو مجرم قرار دیتا ہے جو سرکاری بیت المال کو اپنی ذات پر اپنے تعیّش پر قربان کرتے تھے اور بڑے بڑے محل اور بڑی بڑی سیرگاہیں بناتے تھے۔ اگر پبلک اس کا آرڈر دیتی چونکہ اس کا روپیہ تھا تو یہ جائز ہوتا بشرطیکہ اسراف نہ ہوتا لیکن پبلک نے کبھی آرڈر نہیں دیا اور پھر وہ اسراف کی حد سے بھی آگے نکلا ہوا تھا اس لئے یہ سارے کام ناجائز تھے اور ان لوگوں کو گنہگار بناتے تھے"۔

(تفسیر کبیر۔ سورۃ نور)

خلیفۃ اللہ چونکہ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا کے مقام پر ہوتا ہے، اس لئے وہ امراء سے پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرتا ہے خواہ بعض عناصر کتنی ہی مخالفت اور بغاوت پر کیوں نہ آمادہ ہوں۔ وہ ان سے قطعاً مرعوب نہیں ہوتا کیونکہ اُس کا توکل محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے۔ یہ کام سوائے خلیفۃ اللہ کے کوئی اور کر ہی نہیں سکتا صرف وہی ایک کر سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معیّت میں ہوتا ہے اور اللہ کے حکم کے مقابلے میں ساری دنیا اس کی نگاہ میں مُردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مرتدّین نے یہی نعرہ بلند کیا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً کا قرآنی حکم صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی تعلق رکھتا تھا آپ کے جانشین کو زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مخالفت اور فتنہ اتنا شدید تھا کہ اکابر صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ مصلحتِ وقت کی خاطر فی الحال زکوٰۃ کے حکم میں کچھ نرمی کر دینا مناسب ہوگا۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو خدائی فیصلہ کے موجب خلیفۃ اللہ تھے مرتدّین کے اس مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ بخدا اگر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی ایک رسّی بھی زکوٰۃ میں ادا کرتے تھے تو مَیں اُس وقت تک ان سے جنگ کروں گا جب تک کہ وہ رسّی بھی ان سے وصول نہ کر لوں۔ چنانچہ

آپ اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ذریعہ کامیاب ہوئے اور زکوٰۃ کا نظام پھر جاری ہوگیا جو بعد کے خلفاء کے زمانوں میں بھی جاری رہا۔

خلیفۃ اللہ اپنی جماعت کے لئے باپ کے طور پر ہوتا ہے۔ خلافت کی عدم موجودگی ایک قسم کی یتیمی کی حالت ہوتی ہے جو قوم پر وارد ہوجاتی ہے۔ قوم کے غرباء و مساکین حقیقتاً خلافت کے جاتے رہنے سے ہی یتیم ہوا کرتے ہیں اور امراء کے رحم و کرم پر آرہتے ہیں کہ جی میں آئے تو کچھ احسان کردیں یا نہ کریں۔ یا پھر وہ فتنہ و بغاوت پر اُتر آتے اور امراء کو لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس صورت میں امراء عوام کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں لیکن اکثر ان کے انتقام کا ہی نشانہ بنتے ہیں۔ غرباء بطور حق قوم کے اموال میں اُسی وقت شریک ہوتے ہیں جب امام وقت ان کے سر پر موجود ہو۔ امراء زکوٰۃ کے تمام اموال امام وقت کے پاس جمع کرتے ہیں اور پھر اس کی نگرانی اور ہدایت پر یہ اموال غرباء و فقراء میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور طرفین یہ دونوں کام اپنے روحانی باپ کی نگرانی میں کرتے ہیں اس لئے کسی بد امنی اور فتنہ و فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

بعض اوقات قوم کے پاس روپے پیسہ کی کمی نہیں ہوتی۔ مگر دولت کی منصفانہ تقسیم مفقود ہوتی ہے کیونکہ نظام کے کارندے اور عمال دیانت و امانت کے ساتھ اپنے فرائض بجا نہیں لاتے مگر جس وقت نظام کا سربراہ خلیفۃ اللہ ہو وہاں ہر حقدار کو اس کا حق اکثر و بیشتر پہنچتا ہے کیونکہ تمام عمال پر خلیفۃ اللہ کی کڑی نگرانی موجود ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نظام خلافت کی برکات سے ہر فرد و بشر کو نوازتا ہے اور اُن کے خوفوں کو امن سے بدلتا رہتا ہے۔ تاریخ خلافتِ راشدہ پر عمیق نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ خلافتِ الٰہیہ کے زمانے میں تمام حقیقی خوف خلافتِ راشدہ کی برکت سے امن سے بدل دیئے جاتے ہیں خواہ وہ خوف سیاسی ہوں خواہ اقتصادی اور تمدنی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی اجتماعی کام ایک نظام کے بغیر کماحقہٗ سرانجام نہیں پاسکتا۔ اور وہ نظام جس میں طبقاتِ انسانی کے حقوق کی منصفانہ نگہداشت ہوتی ہے وہی نظام ہوسکتا ہے جو خلیفۃ اللہ کی نگرانی میں جاری و ساری ہو۔ اور اس نظام کو ہی نظام خلافت کہا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بنی نوع انسان کی تمام مشکلات (جن میں بنیادی مشکلات اقتصادی ہیں) کا حل نظام خلافتِ راشدہ ہے۔ آج بھی دنیا ایک چوراہے پر کھڑی ہے وہ حقیقی قیام امن کی خواہش تو رکھتی ہے مگر ہر آنے والا دن اور سال پہلے سے بھیانک تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ اس کی مشکلات کا حل امریکہ کی جمہوریت یا روس کی اشتراکیت میں ہے حالانکہ تمام مشکلات کا حقیقی

حل صرف اور صرف قیامِ خلافتِ راشدہ سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح پاک علیہ السلام کی زبان سے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ وقت آ رہا ہے کہ جب ساری دنیا خلافتِ راشدہ اسلامیہ کے ٹھنڈے سایوں تلے جگہ پا لے گی۔ بیوگان دیتامیٰ و مساکین کوئی دُکھ اور درد محسوس نہ کریں گے۔ امیر اور غریب اپنے آپ کو بھائی بھائی تصوّر کریں گے۔ تاریکی کافور ہو گی، نور ہی نُور اُس کی جگہ لے لے گا۔ انسان انسان کو کیڑوں کی طرح نہ کھائے گا۔ مادّیت کی تہذیب کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ روحانیت کا مہرِ عالمتاب یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی وجود ایک دفعہ پھر افقِ انسانیت پر پُورے جلال و چمک کے ساتھ طلوع کرے گا۔ دنیا میں ایک ہی امام ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ اور زمین اپنے رب کے نُور سے چمک اُٹھے گی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیحِ پاک علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

"حُجَّةٌ قَائِمَةٌ وَ فَتْحٌ مُّبِيْنٌ حُكْمُ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لِخَلِيْفَةِ اللّٰهِ السُّلْطَانِ۔ يُؤْتٰى لَهُ الْمُلْكُ الْعَظِيْمُ وَ تُفْتَحُ عَلٰى يَدِهِ الْخَزَائِنُ وَ تُشْرِقُ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ وَ فِيْ اَعْيُنِكُمْ عَجِيْبٌ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاكَ بُرْهَانًا وَ كَانَ اللّٰهُ قَدِيْرًا۔ عَلَيْكَ بَرَكَاتٌ وَ سَلَامٌ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ اَنْتَ قَابِلٌ يَأْتِيْكَ وَابِلٌ۔" (اربعین۔ بحوالہ تذکرہ طبع ثانی ص۳۰۳)

یعنی صداقتِ اسلام کی ایک عظیم حجّت (دنیا میں) قائم ہو گی اور کُھلی کُھلی فتح ظاہر ہو جائے گی۔ یہ خدائے رحمان کا اٹل فیصلہ ہے اس کے خلیفہ کے حق میں جس کی آسمانی بادشاہت (قلوب پر قائم) ہو گی۔ اس کو عظیم (روحانی) بادشاہت عطا کی جائیگی۔ اور (دینی و دنیوی) خزانے اس کے لئے کھولے جائیں گے۔ اور تمام کی تمام زمین اپنے رب کے (ظاہری و باطنی) نور سے جگمگا اُٹھے گی۔ یہ اللہ (ہی) کا فضل ہو گا اور تمہاری نگاہوں میں عجیب (نظر آئے گا کہ کس طرح ایک غریب و حقیر جماعت کے ذریعہ سے دنیا میں ایسا انقلاب برپا ہو گیا)۔ (اے خلیفۃ اللہ) تجھ پر (مع تیرے لواحقین کے) سلامتی ہو۔ ہم نے تجھے (دنیا میں) بطور ایک عظیم الشان حجّت کے اُتارا ہے (جس سے ثابت ہو گا کہ اسلام اور الٰہی نظام کے قیام کے بغیر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور دائمی امن و چین کا حصول الٰہی نظام کے قیام سے ہی ہو گا) اور تیرا (ب (لظاہر ناممکن نظر آنے والے امور پر بھی پوری طرح سے) قادر

ہے۔ برکات اور سلامتی (کا نزول) صرف تجھ سے ہی وابستہ ہے۔ تم پر اُس خدا کا سلام جو بار بار رحم کرنے والا اور تمام سچی مومنانہ کوششوں کو اپنے فضل سے قبول کرکے بڑھ چڑھ کے نتائج پیدا کرنے والا ہے۔ تُو (ہی افضالِ خداوندی کو عالمگیر طور پر حاصل کرنے کی) قابلیت رکھتا ہے (اس لئے اللہ کی رحمتوں کی) موسلادھار بارش تجھ پر (ضرور) برسے گی۔

اسے خدا تُو خلافتِ حقہ کی ان برکات کو جلد سے جلد دُنیا میں نازل فرما اور دُکھیا انسانیت کے سارے غم دُور کر دے۔ آمین ثم آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

عَلَمِ انعامی مجلس انصاراللہ مرکزیہ

گذشتہ سال ۱۳۴۷ہش / ۱۹۶۸ء میں کارگردگی کے لحاظ سے مجلس انصاراللہ کراچی اور مجلس انصاراللہ پشاور ہر دو مجالس اوّل قرار دی گئیں ـــ اور عَلَمِ انعامی کی مستحق۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۲۷ فتح (دسمبر) کو جلسہ سالانہ میں مکرم محمد شفیع خان صاحب زعیم اعلیٰ مجلس انصاراللہ کراچی اور مکرم رکن الدین صاحب زعیم اعلیٰ مجلس انصاراللہ پشاور کو اپنے دستِ مبارک سے انصاراللہ کا علم انعامی عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ آمین

مجلس انصاراللہ کوئٹہ دوم رہی۔

قائد عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ

ہائیڈروجن بم سے کہیں بڑھ کر ہلاکت آفرین خطرۂ عظیم

مغربی تہذیب انتہائی برق رفتاری سے اخلاقی موت کی آغوش میں جا رہی ہے

کیلیفورنیا (امریکہ) سے شائع ہونے والے مشہور و معروف انگریزی رسالہ "دی پلین ٹروتھ" (The Plain Truth) کے ستمبر ۱۹۶۸ء کے شمارہ (جلد ۳۳ نمبر ۹) میں اس کے نامور ایڈیٹر مسٹر ہربوٹ ڈبلیو آرمسٹرانگ (Herbert. W. Armstrong) کا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "کیا شادی کے ذریعہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کا طریق عنقریب معدوم ہونے والا ہے؟" اس مضمون میں انہوں نے مغرب کے عیسائی ممالک میں اخلاقی پستی و گراوٹ اور بگاڑ و فساد کی ناگفتہ بہ حالت پر نہایت دردانگیز پیرائے میں روشنی ڈالی ہے اور اس طرح وہاں بڑھتی ہوئی فحاشی و بے حیائی اور اس کے ہولناک نتائج پر سے پردہ اُٹھا کر اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے۔

اس ضمن میں مسٹر آرمسٹرانگ نے لکھا ہے کہ ہمارے ہاں فحاشی اس قدر وسیع پیمانہ پر پھیل چکی ہے کہ باقاعدہ شادی کے ذریعہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کا تصوّر ہی ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ شادی کئے بغیر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں باہم ازدواجی تعلقات قائم کرنے اور ان تعلقات کو بلا روک ٹوک منقطع کر کے ایسے ہی نئے تعلقات قائم کرنے اور بلا جھجک کرتے چلے جانے کے سلسلہ نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے کہ ہمارے ہاں اب "شادی" کا لفظ ہی بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضمون کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے:۔

"علم النفس کے ماہروں اور اسی قسم کے دوسرے متعلقہ ماہر اشخاص کی طرف سے بعض دل ہلا دینے والی پیش خبریاں مسلسل سُننے میں آ رہی ہیں۔ "لندن آبزرور" نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ہماری اپنی نسل باقاعدہ شادی کے ذریعہ ازدواجی زندگی بسر کرنے والی آخری نسل ہے؟ علم النفس کے برطانوی ماہر جیمز ہیمنگ نے برٹش میرج گائیڈنس کونسل (شادی کی رہنما برطانوی کونسل) کے سرکاری ترجمان رسالے "میرج گائیڈنس" میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ منگنی کرنے اور منگنی کے موقع پر انگوٹھیاں پہننے اور

دینے کا سلسلہ یکسر نابود ہونے والا ہے۔ رہا شادیوں کا سوال تو وہ ازمنہ گزشتہ کا ایک فراموش شدہ رواج بن کر رہ جائیں گی۔ آجکل لندن کے ایک نہایت کثیر الاشاعت اخبار نے دو صفحات پر پھیلے ہوئے چیخ چیخ کر پکارنے والے انتہائی جلی عنوان کے تحت مضامین کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور وہ عنوان یہ ہے ــــ "کیا شادی کے ذریعہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کا زمانہ گزر چکا ہے؟"

(دی پلین ٹروتھ بابت ستمبر ۶۸ء ص ۵)

اس کے بعد مسٹر آرمسٹرانگ نے مغربی ممالک میں انتہائی برق رفتاری سے بڑھتی ہوئی فحاشی اور بے حیائی کے بعض اسباب پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اس سلسلہ میں بعض نہایت ہی افسوسناک اور دلدوز اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ ان اعداد و شمار کا خلاصہ کم و بیش انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

(۱) طلاقوں کی بھرمار:۔ ایک رپورٹ کے مطابق انگلستان میں ۱۹۶۵ء کے دوران ۴۳ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ یہ اعداد و شمار گزشتہ پانچ سال کے دوران ہونیوالی طلاقوں کی تعداد میں پچاس فیصد اضافہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ امریکہ طلاقوں کی بھرمار کے سلسلہ میں برطانیہ سے بھی بازی لے گیا ہے۔ گزشتہ سو سال کے اندر امریکہ کی آبادی میں چار سو فیصد (۴۰۰%) کے حساب سے اضافہ ہوا ہے لیکن طلاقوں کی تعداد میں اضافہ کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے کہیں بڑھ کر رہی۔ آبادی میں اضافہ کی رفتار سے بھی سات گنا بڑھ کر طلاقوں کی تعداد میں اضافہ ہوا . . . امریکہ میں طلاقوں کی بھرمار کا یہ عالم ہے کہ بلحاظ وقت وہاں ہر ڈیڑھ منٹ کے بعد ایک طلاق ظہور میں آتی ہے۔ لاکھوں امریکی باشندے ہر سال طلاق دیتے یا بغیر کسی طلاق کے باہم علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر روز ایک ہزار سے زائد طلاقوں کی منظوری دی جاتی ہے یعنی وہاں ہر سال قریباً چار لاکھ طلاقیں ہوتی ہیں جس سے ہزاروں ہزار بچے متاثر ہوتے ہیں۔

(۲) ناجائز ولادتوں کی بھرمار:۔ امریکہ میں ہر سال قریباً تین لاکھ ناجائز ولادتیں ہوتی ہیں (یہ صرف ان ناجائز ولادتوں کے اعداد و شمار ہیں جو علم میں آتی ہیں ورنہ بہت سی ناجائز ولادتوں کا تو پتہ ہی نہیں چلتا) پیدا ہونے والے ہر چودہ بچوں میں سے ایک ضرور ناجائز ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ۴۰ فیصد ناجائز بچے ایسی لڑکیوں کے ہاں ہوتے ہیں جن کی عمر بالعموم پندرہ سے انیس سال ہوتی ہے۔ ڈیپارٹمنٹ آف پبلک ہیلتھ (میامی، فلوریڈا) کے ڈاکٹر اینرک لیون ماٹا جونیئر (Enrique Leon Matta Jr.) کا کہنا ہے کہ نوجوان لڑکیوں میں صحت کا سب سے اہم مسئلہ شادی سے قبل ان کا حمل سے ہو جانا ہے اور صحت کے ایک اور اہم مسئلہ کے طور پر دوسرا نمبر امراض خبیثہ کی کثرت کا ہے۔ . . سو غیر شادی شدہ نوعمر لڑکیوں کو جن کے ہاں ناجائز ولادتیں ہوتی ہیں سات سال تک

نگاہ میں رکھنے سے پتہ چلا کہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۶ء کے دَوران ان میں سے ۹۵ لڑکیوں کے ہاں یکے بعد دیگرے پانچ پانچ ناجائز ولادتیں ہوئیں۔

(۳) امراضِ خبیثہ کی بھرمار :۔ امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی اطلاع کے مطابق امریکہ میں ہر روز ڈیڑھ ہزار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آتشک یا سوزاک یا بیک وقت دونوں قسم کے امراضِ خبیثہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں امریکہ کے سرجن جنرل نے امریکہ میں امراضِ خبیثہ کے طاعون کی شکل میں پھیلنے کی رفتار کا جائزہ لینے کے لئے ماہرین کی ایک جماعت بنائی۔ ان ماہرین کی رپورٹ کے بموجب اُس وقت سے اب تک امراضِ خبیثہ میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد میں آٹھ سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اور اب تو حالت یہ ہے کہ امریکہ میں امراضِ خبیثہ میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد میں ہر سال ۷، ۱لاکھ نئے مریضوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ امراضِ خبیثہ کی فیصد شرح میں اضافہ کی ایک وجہ نوجوانوں میں ہم جنسی تلذّذ (homosexuality) کا بڑھتا ہوا رجحان بھی ہے...... آجکل دنیا میں بین الاقوامی سطح پر ایک اور معاشرتی بیماری پنپ رہی ہے اور وہ ہے ہم جنسی تلذّذ کی بیماری جملہ اخلاق سوز افعال میں سے یہ سب سے زیادہ مکروہ فعل پھیل رہا ہے اور پھیل بھی رہا ہے منظم طور پر اور جوں جوں یہ پھیل رہا ہے اسے زیادہ سے زیادہ عوامی مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ (بحوالہ دی پلین ٹروتھ بابت ستمبر ۱۹۶۸ء صٹ)

مغربی ممالک میں اخلاقی پستی و گراوٹ اور ہولناک بگاڑ و فساد کی اِس انتہائی افسوسناک صورتِ حال کے اصل اسباب پر تو ہم کسی آئندہ اشاعت میں روشنی ڈالیں گے سرِدست ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آج اِس صورتِ حال سے دوچار ہونے والے ممالک میں اکثر و بیشتر وہی ممالک شامل ہیں جن میں عیسائیت صدیوں حکمران رہی ہے اور برائے نام آج بھی حکمران ہے۔ اِس صورتِ حال کو مسٹر ہربرٹ آرمسٹرانگ نے مغربی تہذیب کے لئے ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ مہلک اور ہلاکت خیز قرار دیا ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے :۔

"فحاشی اور بے حیائی کی رَو بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے حتّٰی کہ ہمارے معاشرہ کا اخلاقی ڈھانچہ ناقابلِ یقین حد تک لڑکھڑاتا ہوا موت سے ہم آغوش ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ صورتِ حال تہذیب کی بقاء کے حق میں بڑی تیزی سے ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ بڑا خطرہ بنتی جا رہی ہے۔" (دی پلین ٹروتھ ستمبر ۱۹۶۸ء صٹ)

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ +

خداتعالی کا فضل حاصل کرنے کی دو راھیں

اول زھد نفس کشی اور مجاھدات دوم قضاء و قدر

حضرت مسیح موعود علیه السلام فرماتے ھیں :-

''یاد رکھو خداتعالی کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ھیں - ایک تو زھد، نفس کشی اور مجاھدات کا راہ ھے اور دوسرا قضاءوقدر کا - مجاھدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت مشکل ھے کیونکه اس میں انسان کو اپنے ھاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خسته کرنا پڑتا ھے - عام طبائع بہت کم اس پر قادر ھوتی ھیں که وہ دیدہ دانسته تکلیف جھیلیں لیکن قضاء و قدر کی طرف سے جو واقعات اور حادثات انسان پر آ کر پڑتے ھیں وہ ناگہانی ھوتے ھیں اورجب آپڑتے ھیں تو قھردرویش برجان درویش ان کو برداشت کرنا ھی پڑتا ھے جو که اس کے تزکیه نفس کا باعث ھو جاتا ھے-جیسے شھداء کو دیکھو که جنگ کے بیچ میں لڑتے لڑتے مارے جاتے ھیں تو خداتعالی کے نزدیک کس قدر اجر کے مستحق ھوتے ھیں - یه درجات قرب ان کو قضاء و قدر سے ھی ملتے ھیں ورنه اگر تنہائی میں ان کو اپنی گردنیں کاٹنی پڑیں تو شاید بہت تھوڑے ایسے نکلیں جو شہید ھوں - اسی لئے اللہ تعالی غرباء کو بشارت دیتا ھے ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه راجعون . اس کا یہی مطلب ھے که قضاء و قدر کی طرف سے ان کو ھر ایک قسم کے نقصان پہنچتے ھیں اور پھر وہ صبر کرتے ھیں تو خدا تعالی کی عنایتیں اور رحمتیں ان کے شامل حال ھوتی ھیں کیونکه تلخ زندگی کا حصه ان کو بہت ملتا ھے - لیکن امراء کو یه کہاں نصیب''

(ملفوظات جلد ھفتم صفحه ۱۱۳ ، ۱۱۴)

ضیاءالاسلام پریس ربوہ میں چھپا